# نصرۃ

میگزین

نصرۃ میگزین شمارہ ۴۳
جولائی/اگست ۲۰۱۸ بمطابق
ذوالقعدۃ/ذوالحجہ ۱۴۳۹ ہجری

## عطاء بن خلیل ابو الرشتہ
## (امیر حزب التحریر)

تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۸-۱۷۹

## جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور نبوت کے طریقے پر خلافت کا قیام وقت کی ضرورت ہے

## پاکستان آرمی کو مسجد الاقصیٰ کی آزادی کے لیے حرکت میں لانے کے لیے حزب التحریر ولایہ پاکستان کے مظاہرے

اس دنیا کی زندگی بہت ہی مختصر ہے، لہذا اس زندگی کی حقیقت کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کریں

امام اعظم: ابو حنیفہ

ویسٹ فیلیا کے تحت قومی ریاستوں کا نظام استعماریوں کے لیے دوسری ریاستوں پر بالادستی کا طریقہ کار ہے

# نصرة
میگزین / شمارہ 43

جولائی/اگست 2018 بمطابق ذوالقعدۃ/ذوالحجہ 1439 ہجری

## اس شمارے میں


| | | |
|---|---|---|
| اشراف کے لیے اشرافیہ کی ناکام ہوتی جمہوری حکمرانی کا خاتمہ کرو | اداریہ | 1 |
| تفسیر سورۃ البقرۃ 179-178 | شیخ عطاء بن خلیل ابوالرَشتہ | 2 |
| اس دنیا کی زندگی بہت ہی مختصر ہے، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کریں | مصعب عمیر | 5 |
| امام اعظم: ابو حنیفہ النعمان | مجلہ الوعی | 8 |
| اپنے مغربی آقاؤں کی خوشی کی خاطر پاکستانی حکومت اپنے تعلیمی نظام کو سیکولر بنانے میں تیزی دکھا رہی ہے | اخلاق جہاں | 12 |
| ویسٹ فیلیا کے تحت قومی ریاستوں کا نظام استعماریوں کے لیے دوسری ریاستوں پر بالادستی کا طریقہ کار ہے | افضل قمر | 15 |
| نظریۂ باجوہ کا خیالی مفروضہ | خالد صلاح الدین | 19 |
| آئیں ہم اس رمضان اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی کی جدوجہد کریں | حزب التحریر | 21 |
| ہندو ریاست کے سامنے تحمل کی پالیسی ذلت اور شکست ہے جو ہمارے دشمن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے | میڈیا آفس ولایہ پاکستان | 23 |
| جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور نبوت کے طریقے پر خلافت کا قیام وقت کی ضرورت ہے | حزب التحریر | 24 |
| قرض کی ضمانت کا معاوضہ | سوال وجواب | 27 |
| مقلد متبع | سوال وجواب | 28 |
| جنوبی تحریک کی حقیقت اور اس کی ماتحتی | سوال وجواب | 31 |
| پاکستان آرمی کو مسجد الاقصیٰ کی آزادی کے لیے حرکت میں لانے کے لیے حزب التحریر کے مظاہرے | میڈیا آفس ولایہ پاکستان | 39 |

# اداریہ: اشرافیہ کے لیے ناکام ہوتی جمہوری حکمرانی کا خاتمہ کرو

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جب جمہوریت واضح طور پر ناکام ہو رہی ہے۔ مغربی دانشور پوچھ رہے ہیں کہ " جمہوریت کے ساتھ کیا خرابی ہوگئی ہے؟"، " یہ کیوں مشکلات کا شکار ہو گئی ہے؟" اور "اس کو کھڑا کرنے کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟"۔ یہ سوالات زوال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یقیناً جمہوریت پر ہر طرف سے شکوک وشبہات کی بارش ہو رہی ہے جن کو دور کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے ۔ مغربی علاقوں میں جمہوریت کا کمزور ہو جانا اور غیر مغربی دنیا میں اس کے اثر ونفوذ میں کم واقع ہو جانا ان لوگوں پر دن بدن واضح ہوتا جارہا ہے جو عقل اور ہوش رکھتے ہیں۔

جمہوریت کے دل، یعنی مغرب میں نظر آنے والی خرابیوں میں سے کچھ پاکستان میں بھی نظر آرہی ہیں۔ 1950 میں برطانیہ کی کل آبادی کا 20 فیصد سیاسی جماعتوں کا رکن ہوتا تھا جبکہ آج صرف ایک فیصد آبادی سیاسی جماعتوں کی رکن ہے۔ ووٹ ڈالنے کی شرح میں بھی مسلسل کمی واقع ہو رہی ہے۔ 49 جمہوریتوں میں یہ دیکھا گیا کہ ووٹ ڈالنے کی شرح 1980-84 کے مقابلے میں 2007-13 میں 10 فیصد کم ہوگئی ہے۔ 2012 میں سات یورپی ممالک کے سروے میں یہ بات سامنے آئی کہ آدھے سے زیادہ ووٹرز کو "حکومت پر کوئی بھروسہ نہیں ہے"۔ اسی سال برطانوی ووٹرز پر کیے جانے والے یو گوو (YouGov) سروے کے مطابق 62 فیصد نے اتفاق کیا کہ "سیاست دان ہر وقت جھوٹ بولتے ہیں"۔ 1980 سے 2000 کے درمیان جمہوریت نے کم بحرانوں کا سامنا کیا لیکن 2000 کے بعد سے یہ بہت زیادہ بحرانوں کا سامنا کر رہی ہے جن میں پاناما پیپرز کے بعد پیدا ہونے والا بحران بھی شامل ہے۔

جمہوریت اپنی واضح ناانصافی اور عدم مساوات کی وجہ سے ناکام ہو رہی ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی حکمرانی ہے لیکن یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ درحقیقت جمہوریت اشرافیہ کی حکمرانی ہے، چند لوگوں کی حکمرانی ہے، طاقتور سرمایہ دار اشرافیہ کی حکمرانی ہے۔ یہ وہ اشرافیہ ہے جو قانون سازی کے اختیار کے وجہ سے اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اس کے ہاتھوں میں دولت مسلسل آتی رہے جس کے نتیجے میں چند ہاتھوں میں دولت کا زبردست ارتکاز ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ "حکومت کے اندر حکومت" جس نے اپنے پیسے کی ہوس کی پیاس بجھانے کے لیے خارجہ پالیسی پر قبضہ کر لیا ہے۔ ظلم پر مبنی جنگوں کے ذریعے یہ اپنے فوجی ساز وسامان کے کاروبار کو بڑھاتی ہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں موجود تیل و گیس پر قبضہ کر کے اس علاقے کے لوگوں کو اس عظیم دولت سے محروم کر دیتی ہے جس سے ان کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔

جمہوریت کی اصلاح نہیں کی جاسکتی ہے۔ جمہوریت اپنے خمیر کی وجہ سے لوگوں کو ناکام کر رہی ہے۔ جمہوریت مٹھی بھر اشرافیہ کی حکمرانی ہے کیونکہ یہ صحیح اور غلط قرار دینے کا حق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بجائے چند لوگوں کو عطا کر دیتی ہے۔ وہاں کیسے انصاف ہو سکتا ہے جہاں کچھ لوگ دوسروں کے لیے قوانین بنائیں اور اپنے لیے ان میں چور دروازے بنائیں تاکہ ان پر انہی قوانین کا اطلاق نہ ہو سکے؟ وہاں کیسے مساوات قائم ہو سکتی ہے جہاں ایک مخصوص گروہ کو یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ قوانین میں تبدیلی لا کر اپنی مرضی اور خواہش کی زندگی گزاریں؟

مغرب کے پاس جمہوریت کا کوئی متبادل نہیں ہے اور اسی وجہ سے وہ جمہوریت کی تعفن زدہ لاش کو زندگی بخشنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے بالکل بھی ایسی صورتحال نہیں ہے۔ ان کے پاس متبادل موجود ہے جو اسلام کا نظامِ حکمرانی یعنی خلافت ہے۔ خلافت میں حکمران مقتدرِ اعلیٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ قرآن وسنت کے تابع ہوتے ہیں اور اگر وہ قرآن وسنت سے اخذ کردہ قوانین کی خلاف ورزی کریں تو انہیں برطرف کیا جاسکتا ہے۔ خلافت میں مجلسِ امت کے منتخب نمائندگان قوانین نہیں بناتے بلکہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ کیا قوانین قرآن وسنت سے ہی اخذ کیے جارہے ہیں۔ خلافت میں اس کے شہری اجتماعی طور پر مقتدر نہیں ہوتے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واحد مقتدرِ اعلیٰ ہوتے ہیں۔ خلافت میں خارجہ پالیسی کا مقصد حکمرانوں کے لیے منفعت اور مال جمع کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کے پیغام کو دعوت وجہاد کے ذریعے پھیلا کر دنیا سے ظلم کا خاتمہ اور انصاف کا قیام ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیا کے لیے خلافت ایک آزمودہ حل ہے جس نے دولت کی منصفانہ تقسیم کی تھی، بغیر امتیاز کے انصاف کے فراہمی اور مختلف لوگوں کے درمیان امن واخوت کو قائم کیا تھا۔

جمہوریت اپنی موت آپ مرچکی ہے اور اب اسے دفنانے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے پاس متبادل اسلام ہے۔ تو پھر پاکستان میں جمہوریت کے تسلسل کی کیا کوئی وجہ رہ جاتی ہے؟ یقیناً یہ وقت ہے کہ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد کو تیزی سے آگے بڑھایا جائے۔

**ختم شد**

# تفسیر سورۃ البقرۃ آیت 178-179

مشہور فقیہ اور رہنما، امیر حزب التحریر، شیخ عطاء بن خلیل ابو رشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس:

**أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

﴿ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالأُنثَى بِالأُنثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنْ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرة: 178) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة: 179)﴾

**"اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے)، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) اُمید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے"**

**(البقرہ : 178-179)**

گذشتہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر اور نفاق کے موضوع کو بیان کیا، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے یہود کو عطا کردہ انعامات اور ان کی ناشکری کا ذکر کیا، پھر یہ بیان کیا کہ ان اہلِ کتاب کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے صفات اور علامات مذکور ہیں، پھر بھی یہ لوگ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں، یہ بھی بیان کیا کہ یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اپنے اپنے دین اور قبیلے کی برتری ثابت کرنے کے لیے جھگڑوں اور تنازعات کا شکار ہیں اور اس کے علاوہ اُصول دین اور بنیادی امور بیان کیے۔ اب اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کچھ شرعی احکام کا ذکر فرماتے ہیں، جو لوگوں کے باہمی تعلقات کی تدبیر و انتظام سے متعلق ہیں۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ کچھ یوں ہے:

1۔ مقتولین کے قصاص میں مساوات اور برابری کا معاملہ کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی اونچ نیچ اور کمی بیشی نہ کی جائے۔ لہٰذا اگر ایک غلام دوسرے غلام کو قتل کر دے، تو قاتل غلام کو ہی اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں لوگوں کا مقتول غلام چونکہ فلاں لوگوں کے قاتل غلام سے بہتر ہے، لہٰذا قاتل غلام کا اس کے بدلے قتل کیا جانا کافی نہیں اس لیے مقتول غلام کے بدلے میں ان کا آزاد مرد قصاصاً قتل کیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی آزاد آدمی کسی دوسرے آزاد آدمی کو قتل کرے تو قتل کرنے والے آزاد آدمی کو ہی قتل کیا جائے گا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ تمہارا مقتول فرد ہمارے قاتل فرد سے کم مرتبے والا ہے، چنانچہ تمہارے اس مقتول آزاد کے بدلے ہمارے غلام کا قتل ہو جانا کافی سمجھا جائے۔ اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کے بدلے قتل کی جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس قبیلے کی عورت دوسرے قبیلے کے مرد کے برابر ہے، اس لیے قاتل عورت کا قتل کافی نہیں، بلکہ اس کے بدلے قاتل عورت کے قبیلے میں سے مرد کو قتل کیا جائے۔

یہ آیت انہی جیسے واقعات (اور تصورات) کا حکم بتانے کے لیے نازل ہوئی، ایک روایت میں ہے کہ دو عرب قبیلوں کے درمیان قبل از اسلام جاہلی ادوار میں خونی معاملات پیش آئے تھے اور ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلے میں قدرے اونچی حیثیت کا تھا، اُس قبیلے نے قسم کھائی کہ ہم اپنے غلام کے بدلے تمہارے آزاد آدمی کو قتل کریں گے اور اپنی عورت کے بدلے تمہارے مرد کو قتل کریں گے۔ اسلام کی آمد ہوئی تو یہ قبیلے اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے، چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی (یہ اس آیت کا پسِ منظر ہے)۔

آیت کا ظاہری اور لفظی مطلب (منطوق) وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور یہی (قصاص کے حکم کا بیان) اس کا موضوع ہے ۔ علم التفسیر کے اصول، العِبرَةُ بِعُمومِ اللَّفظِ لا بِخُصُوصِ السَّبَب، کے مطابق لفظ کے عمومی معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ مخصوص اسباب کا ۔ اس اصول کے مطابق آیت کا موضوع ہے؛ قاتل کا مقتول کے بدلے قتل کیا جانا، مقتول یا قاتل خواہ کوئی بھی ہو، یعنی آزاد کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے بدلے اور عورت کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ یہ اس آیت کا موضوع ہے اور اس کا بیان اس آیت کے اندر وضاحت سے کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آزاد آدمی کسی غلام کو

قتل کردے یا ایک مرد کسی عورت کو قتل کردے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ یعنی کیا اس صورت میں بھی قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا؟ بالفاظِ دیگر کیا آیت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے؟ (جبکہ آیت کے صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہیں)

اس کا جواب ہے، جی ہاں! قاتل کوئی بھی ہو، مقتول کے بدلے قاتل کو ہی قتل کیا جائے گا اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ آیت مقتولین کے قصاص کے حوالے سے عام ہے کہ، **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى** "ناحق قتل کیے جانے والوں کے بارے میں تم پر قصاص ہے"۔ "تم پر قصاص ہے" یعنی تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔ پس ایک تو قصاص کا لفظ اس بات کا قرینہ ہے کہ "**كُتِبَ**" سے مراد طلبِ جازم ہے، نتیجہ یہ ہے کہ قتل کیے جانے والوں کا قصاص فرض ہے۔ دوسرا یہ کہ "قتلیٰ" کا لفظ عام ہے چنانچہ کسی بھی انسان کو قتل کیا جائے تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے، یعنی قاتل کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو اس نے کیا ہے۔ یہ اصول عام رہے گا، سوائے یہ کہ کسی نص کے ذریعے اس میں تخصیص کی گئی ہو، جیسے آنحضرت ﷺ کا قول ((**لا يُقتَل والد بولده**)) "والد کو اپنی اولاد کے قتل پر نہیں قتل کیا جائے گا" (رواہ ترمذی واحمد)۔ یہ حدیث اس آیت کے اندر تخصیص کرتی ہے۔ پس اگر کوئی والد اپنے بچے کو قتل کردے تو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ یا جیسا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ((**لا يُقتَل مسلم بكافر**)) "کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا" (رواہ بخاری و ترمذی)۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان آدمی کسی حربی کافر کو قتل کردے تو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس حدیث میں مطلق کافر کا ذکر ہے مگر ہمارے نزدیک اس سے حربی کافر مراد ہے، کیونکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ذمی اور کافر معاہد کو اس سے خارج کردیا ہے اور ان دونوں کے قتل پر قصاص کا حکم دیا ہے جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے ((**لا يُقتَل مسلمٌ بكافر ولا ذو عهد في عهده**)) "کسی مسلمان کو کافر کے بدلے نہیں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی معاہد کو اس کے عہد کے دوران قتل کیا جائے گا" (نسائی: 4654، 4653)۔ اس میں "ذو عہدٍ" کا عطف "مسلمٌ" کے لفظ پر کیا گیا ہے اور یہ دونوں مرفوع ہیں، یعنی مسلمان کو کافر کے بدلے اور اہلِ معاہدہ کو بھی کافر کے بدلے نہیں قتل کیا جائے۔ چنانچہ پہلی حدیث میں مذکور کافر سے مراد ایسا کافر ہے جو اہلِ معاہدہ کافر سے علاوہ ہے، اور ایسے کافر کا اہلِ ذمہ میں سے نہ ہونا بطریق اولیٰ ہے۔ پس حدیث میں مذکور "کافر" سے کافر حربی مراد ہے (الحاصل آیت اگرچہ ہر قسم کے قاتل اور مقتول کے حوالے سے عام ہے مگر حدیث اس میں تخصیص کرتی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو قتل کردے تو قصاصاً مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے۔ اسی طرح حدیث میں اگرچہ مطلق کافر کا ذکر ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث اس حدیث کی تخصیص کرتی ہے جس کی بنا پر مطلق کافر سے کافر حربی مراد ہے جیسا کہ واضح کیا گیا)۔

ب۔ یہاں جو منطوق (لفظی معنی) ہے وہ ہے آزاد کا آزاد کے بدلے قتل، غلام کا غلام کے بدلے اور عورت کا عورت کے بدلے قتل۔ جہاں تک اس آیت کے مفہوم کی بات ہے، سو یہاں اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، یعنی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اگر مرد عورت کو قتل کردے تو اس کو عورت کے بدلے نہ قتل کیا جائے، یہ اس لیے کیونکہ یہاں آنحضرت ﷺ کے قول کی وجہ سے اس آیت کا مفہوم معطل کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، **الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ** "مسلمانوں اپنے خون میں برابر ہیں" (ابو داؤد: 3758، نسائی: 6952، احمد: 1/119، 122، 192)۔ اس میں مرد اور عورت اور آزاد و غلام سب شامل ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان، **مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ** "جو کسی غلام کو قتل کردے، ہم اس کو قتل کریں گے" (ترمذی: 1334، نسائی: 4655، ابو داؤد: 3914، ابنِ ماجہ: 2653، احمد: 5/10، 11، 12)۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں جو کیا تھا کہ اگر ایک گروہ کسی ایک آدمی کو قتل کردے، تو پورے کے پورے گروہ کو قتل کیا جاتا۔ ایک دفعہ سات آدمیوں نے مل کر ایک غلام کو قتل کر دیا، عمرؓ نے ان ساتوں آدمیوں کو قتل کیا اور فرمایا: "اگر صنعاء شہر کے تمام لوگ بھی اکٹھے ہو کر اس کو قتل کر دیتے، میں ان سب کو قتل کر دیتا"۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے، خواہ کوئی بھی ہو اور قتل کرنے والوں کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو۔

**2۔ (فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ) "پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے"** اس آیت میں دو امر مذکور ہیں:

ا۔ ایک تو مقتول کے ورثاء کو بھائی بتایا گیا ہے، جو لفظ "اخیہ" سے واضح ہے، اس سے درگزر کی حوصلہ افزائی ملحوظ ہے، یعنی گویا مقتول کے اولیاء قاتل کے بھائی ہی ہیں، لہٰذا انہیں چاہیے کہ عفو و درگزر سے کام لیں۔

ب۔ "شیء" کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معافی ہوتے ہی قصاص ساقط ہو جاتا ہے، خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ تھوڑی معافی سے مراد بعض ورثاء کی طرف سے معافی دینا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اولیائے مقتول میں سے کوئی بھی فرد اگر قاتل کو معاف کر دے تو قصاص نہیں ہوگا، اس لیے اگر بعض معاف کر دیں اور بعض معاف کر دینے سے انکار کر لیں

تو معاف کردینے والوں کی معافی کا اعتبار ہوگا۔ اس کو **"شیئٌ"** سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت میں تمام ورثاء کی طرف سے معافی نہیں ہوئی۔ تاہم قصاص پھر بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ (**ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ** )" یہ اللہ کی طرف سے ایک رحمت اور فضل اور آسانی ہے"۔

3۔ جب سب کی طرف سے معافی دی جائے یا بعض کی طرف سے، تو اب اولیائے مقتول معروف طریقے سے دیت (خون بہا) کے مطالبے کے حق دار ٹھہر جاتے ہیں اور قاتل پر لازم ہے کہ خوش اسلوبی سے دیت کی ادائیگی کر کے مقتول کے ورثاء کو اطمینان اور سکون پہنچائے۔

جب اولیائے مقتول معافی دیدیں تو اس کے بعد اگر وہ چاہیں تو دیت لیں یا دیت کا مطالبہ کیے بغیر معاف کردیں۔ تمام حالات میں مقتول کے ورثاء کو ان کو دیے گئے کسی بھی حق پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، یعنی قصاص، دیت یا معافی میں سے جبری کوئی کام نہیں کروایا جائے گا، نہ ہی مقتول کے اولیاء اس سے تجاوز کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **من أصيب بقتل أو خَبَل فإنه يختار إحدى ثلاث: إما أن يقتص أو أن يعفو وإما أن يأخذ الدية فإن أراد الرابعة فخذوا على يديه، ومن اعتدى بعد ذلك فله نار جهنم خالدا فيها**

" جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے یا زخمی کیا جائے تو وہ تین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے: قصاص لے یا معافی دے یا پھر دیت لے۔ کسی چوتھی چیز کی کوشش کرے تو اس کا ہاتھ روکو، اس حکم کے (بتانے کے) بعد بھی کوئی تجاوز کرے گا تو وہ جہنم میں ہمیشہ کی سزا بھگتا رہے گا" (ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، دارمی)۔

تجاوز کا مطلب یہ ہے کہ اگر قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر دیا، یا معافی دینے یا دیت لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی دنیا میں قصاص لیا جائے گا یا آخرت میں آتشِ دوزخ کا مزہ چکھے گا۔

4۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آخری آیت میں بیان فرمایا کہ مسلمانوں کے لیے قصاص کے اندر زندگی ہے، فرمایا (**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**) "اور اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی (کا سامان) ہے"۔ اس کا مطلب یا تو ہے:

ا۔ کہ قصاص کے قانون میں قاتل اور مقتول دونوں کے لیے زندگی ہے، کیونکہ جب قاتل یہ جانتا ہو کہ کسی کی جان لینے پر قصاصاً اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، تو اس کا یہ احساس اسے کسی بے گناہ انسان کے قتل سے باز رکھنے کا باعث ہوگا، چنانچہ دوسرے لوگوں کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے اور اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جاتی ہے، جب وہ کسی کو قتل نہیں کرے گا تو اسے بھی قصاص کے طور پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں آیت میں لفظِ قصاص سے پہلے مشروعیت کا لفظ مضمر (underlying) مانا جائے گا اور معنی یوں ہوں گے کہ قصاص کے قانون اجراء میں قاتل کی بھی زندگی ہے اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی بھی زندگی ہے۔

ب۔ قصاص یعنی قاتل کے قتل میں دیگر لوگوں کی زندگی پوشیدہ ہے، یعنی اگر قاتل دندناتا پھرے اور اسے قصاص میں قتل نہ کیا جائے تو وہ اور دلیر ہو جائے گا اور متعدد لوگ اس کے شر سے غیر محفوظ ہوں گے۔ اس بنا پر قصاص میں تخصیص ہوگئی، یعنی اگرچہ یہ لفظ عام ہے مگر اس صورت میں صرف قاتل کے قتل ہونے کے ساتھ خاص ہوگا، یعنی قاتل کے قتل کر دیے جانے کو قصاص کہا جاتا ہے اور اس میں دیگر لوگوں کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے، جن کو قتل کرنا اس کے لیے ممکن تھا اگر قصاص لیے بغیر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اور اس حالت میں قصاص کا عام حکم قاتل کے قتل کے لیے خاص ہوگا اور اب قصاص کے معنی یہ ہوں گے کہ قاتل کو حقیقتاً قتل کر دینے میں زندگی ہے، یعنی یہاں مشروعیت کو مضمر (underlying) نہیں مانا جائے گا، یعنی قصاص کا قانون نہیں بلکہ اس سے حقیقتاً قتل ہی مراد ہوگا، مگر یہ حقیقت خاص کر قاتل کا قتل کرنا ہے۔

حقیقت مخصوصہ مجاز پر مقدم ہوتی ہے، چونکہ اضمار (پوشیدہ معنی) بھی ایک قسم کا مجازی معنی ہے، لہٰذا لفظ قصاص کی حقیقتِ مخصوصہ اضمار (پوشیدہ معنی) پر مقدم ہوگی اور چونکہ قاتل کا قتل قصاص کا حقیقی معنی ہے، چنانچہ قصاص کے مذکورہ معنی قصاص کے مجازی معنی پر مقدم ہوں گے۔ قصاص کے مجازی معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ تشریع یا مشروعیت کو مضمر مانا جائے، جیسا کہ اصولِ فقہ میں مشہور و معروف ہے۔ اس کے لیے اصولِ فقہ میں مخصوص باب ذکر کیا گیا ہے جہاں یہ بحث موجود ہے کہ ایک ہی دلیل کے الفاظ اگر متعدد مفہوموں کے حامل ہوں تو وہاں کس مفہوم کو ترجیح دی جائے، پس یہاں آیت کریمہ کے دوسرے معنی زیادہ راجح اور اولیٰ ہیں، جو اس کے حقیقی معنی ہیں یعنی قاتل کو قتل کر دینے میں ان دیگر لوگوں کی زندگی پوشیدہ ہے کہ اگر قاتل دندناتا پھرتا تو وہ ان کو بھی قتل کر دیتا۔

ج۔ قصاص کے قانون پر مرتب ہونے والی زندگی کی عظمت سے وہی لوگ آگاہی رکھتے ہیں جو عقل و خرد کے مالک ہوں، جن کے اذہان اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب میں ان کا خصوصی ذکر کیا، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے خطاب کے اہل ہیں، جن کو خطاب الٰہی کے معانی کا ادراک ہے، تاکہ وہ قتل جیسے اقدامات کا ارتکاب کرنے سے پرہیز کریں جو قصاص کا باعث اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا موجب ہوں۔

**ختم شد**

# اس دنیا کی زندگی بہت ہی مختصر ہے، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کریں

**تحریر: مصعب عمیر، پاکستان**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نظر آنے والے عزم، تحریک، عجلت کے احساس، پہل کرنے کی صلاحیت اور قوتِ عمل کی وجہ انتظام و انصرامِ وقت جیسے تصورات نہیں تھے ۔ بلکہ یہ صفات زندگی کی حقیقت کا مکمل ادارک کرنے اور اُس پر پختہ یقین کا نتیجہ تھے جیسا کہ زندگی کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی میں بیان کیا گیا ۔ یقیناً دنیا کی زندگی مختصر ہی سمجھی جاتی ہے، یہاں تک ان کے نزدیک بھی جنہوں نے بہت لمبی عمریں پائیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ** "اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر اُن (قوم) کو طوفان (کے عذاب) نے آپکڑا۔ اور وہ ظالم تھے "(العنکبوت: 14)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **فَلَمَّا أَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، قَالَ: يَا نُوحُ، يَا أَكْبَرَ الأَنْبِيَاءِ، وَيَا طَوِيلَ الْعُمُرِ، وَيَا مُجَابَ الدَّعْوَةِ، كَيْفَ رَأَيْتَ الدُّنْيَا؟ قَالَ: مِثْلَ رَجُلٍ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ لَهُ بَابَانِ، فَدَخَلَ مِنْ وَاحِدٍ، وَخَرَجَ مِنَ الآخَرِ** "موت کا فرشتہ حضرت نوحؑ کے پاس آیا اور کہا: 'اے نوحؑ، پیغمبروں میں سب سے لمبی عمر پانے والے، آپؑ نے اس دنیا اور اس کی آسائشوں کو کیسا پایا؟'۔ آپؑ نے فرمایا: ایک ایسے آدمی کی طرح جو ایک ایسے کمرے میں داخل ہو جس کے دو دروازے ہوں اور وہ اس کمرے کے بیچ میں کچھ دیر کے لیے کھڑا رہے، اور پھر دوسرے دروازے سے نکل جائے "۔ تو نوحؑ کے لیے دنیا کی زندگی اتنی مختصر تھی جنہوں نے ساڑھے نو سو سال کی عمر پائی تھی، تو پھر ہمیں، امتِ محمد ﷺ کو اس دنیا کی زندگی کو کیسے دیکھنا چاہیے جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا، **عُمُرُ أُمَّتِي مِنْ سِتِّينَ سَنَةً إِلَى سَبْعِينَ سَنَةً** "میری امت میں زندگی کی طوالت ساٹھ سے ستر سال ہے"۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم اُس دروازے کے بالکل پاس پیدا ہوئے ہیں جہاں سے ہمیں لازمی واپس جانا ہے؟ کیا ہمارے پاس اتنا وقت ہے کہ ہم اپنے دین کے حوالے سے ذمہ داریوں

کیا اپنے خاندان کے ساتھ گزارا پورا دن یا دفتر میں رات دیر تک رک کر کام کرنے کو ہم ایک ایسا وقت قرار دیں گے کہ ہمارا یہ وقت ایک اہم کام میں صرف ہوا، لیکن نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے چند گھنٹے لگا کر ہی ہم مطمئن ہو جائیں گے؟

کی ادائیگی کو التوا میں ڈال دیں؟ ہم میں سے ہر ایک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ اُس کی یہ زندگی ضائع نہ ہو جائے۔ ہر دن اور دن کا ہر حصہ ہمارے لیے اہم ہونا چاہیے یہاں تک کہ پوری زندگی اسی طرح گزرے اور اللہ سبحانہُ وتعالیٰ راضی ہو جائے۔

یقیناً اس دنیا کی زندگی مختصر ہے اور روزِ آخرت وہ لوگ جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت نہیں کی ہو گی انہیں اس بات کا شدید احساس ہو گا۔ انہوں نے اپنی زندگی فضول کھیل کود اور دنیاوی لذتوں اور خواہشات کی پیچھے ضائع کر دی ہو گی۔ وہ اس قدر مایوسی کا شکار ہوں گے کہ وہ کہیں گے کہ ان کی زندگی تو محض ایک دن بلکہ اس سے بھی کم عرصے پر محیط تھی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ (112) قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ (113) قَالَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلاَّ قَلِيلاً لَوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (114) أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لاَ تُرْجَعُونَ (115) فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (116)** "(اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیئے۔ (اللہ) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے کاش تم جانتے ہوتے۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اس کی شان) اس سے اونچی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش بزرگ کا مالک ہے۔ "(المومنون: 116-112)۔ تو ہمیں کس طرح اپنے شب و روز گزارنے چاہیے؟ تو کیا اپنے خاندان کے ساتھ گزارا پورا دن یا دفتر میں رات دیر تک رک کر کام کرنے کو ہم ایک ایسا وقت قرار دیں گے کہ ہمارا یہ وقت ایک اہم کام میں صرف ہوا، لیکن نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے چند گھنٹے لگا کر ہی ہم مطمئن ہو جائیں گے؟ ہم کس طرح پورا دن یا دن کا کچھ حصہ گھر پر گزارنے کو ترجیح دے سکتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دین نافذ ہی نہ ہو، خونِ مسلم زمین کی پیاس بجھا رہا ہو، مسلم علاقوں پر پست ترین لوگ قابض ہوں اور مسلمان دنیا بھر میں مہاجر بنے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہوں، سمندروں میں ڈوب

رہے ہوں، کھلے آسمان تلے سو رہے ہوں اور بھوک اور سردی کا شکار ہوں؟ کیا ہمارے پاس آرام کرنے کا وقت ہے اور کیا یہ آرام کرنے کا وقت ہے؟

ہمیں اس دنیا میں اپنے قیام کے متعلق شیطان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔ اس دنیا کی زندگی بذات خود ہی مختصر نہیں ہے بلکہ جب اس کا آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی سے موازنہ کیا جائے تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ** "اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے" (الرعد:26)، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ** "کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے" (النساء:77)، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ** "اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے" (غافر:39)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **وَاللَّهِ مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هَذِهِ - وَأَشَارَ يَحْيَى بِالسَّبَّابَةِ - فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ** "اللہ کی قسم دنیا، آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہوگا؟"۔ لہٰذا ہم کیوں سمندر کی جگہ اس چیز کے پیچھے بھاگیں جو ہماری انگلی کو بھی بھر نہیں سکتی اور ہم اس کے لیے اپنے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں اور مہینوں لگا دیں؟ ہمیں اُن کم درجے کے معاملات کے پیچھے اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہیے جو ہمیں فرض اعمال کی ادائیگی سے بے پروا کردے۔ یقیناً اپنی دنیاوی امور پر لگنے والے وقت کو محدود کرنا ہے تاکہ ہم اُن معاملات پر اپنے گھنٹوں، دنوں اور مہینوں لگا سکیں جو آخرت کے لیے انتہائی اہم ہیں۔

صرف اس دنیا کی زندگی محدود ہی نہیں بلکہ یہ تو کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔ موت سے کسی صورت فرار ممکن نہیں ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہماری موت کا کونسا وقت مقرر ہے، تو پھر ہم اس معاملے کو کیسے التوا میں ڈال سکتے ہیں جس کی ادائیگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے؟ ان اہم معاملات کو


رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

**وَاللَّهِ مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هَذِهِ - وَأَشَارَ يَحْيَى بِالسَّبَّابَةِ - فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ**

**"اللہ کی قسم دنیا، آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہوگا؟"۔**


التوا میں ڈالنا خود کو دھوکے میں ڈالنا، جھوٹی امید لگانا اور فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ** "اور ہر ایک کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آجاتی ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی" (الاعراف:34)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ** "لذتوں کو توڑنے والی (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو" (ابن ماجہ)۔ ہم اس امید پر اپنے دین کے معاملات کو التوا میں نہیں ڈال سکتے کہ میں اگلے مہینے، اگلے ہفتے، کل یا یہ کہ اگلے گھنٹے بھی زندہ رہوں گا۔ اس قسم کی امید جھوٹی امید ہے۔ یقیناً اس قسم کی امید کے پورا ہونے سے قبل ہی موت انسان کو جکڑ لیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لکیریں کھینچیں اور کہا، **هَذَا الأَمَلُ وَهَذَا أَجَلُهُ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الأَقْرَبُ** "یہ انسان کی امید ہے اور یہ انسان کی موت کا وقت، اور ابھی وہ اس (امید کی) حالت میں ہوتا ہے کہ (موت کی) لکیر قریب آجاتی ہے" (بخاری)۔ تو پھر ہم کیسے خلافت کے داعی کی اس دعوت سے منہ موڑ سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کی بحالی کے لیے کام کرو؟ ہم کیسے اس کام کو التوا میں ڈال سکتے ہیں جو کفر کی حکمرانی کے خلاف آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے؟ اس کام کو کل تک التوا میں کیوں ڈالیں جو آج کیا جاسکتا ہے؟ کیا اس بات کا ادراک کہ موت کسی بھی وقت آسکتی ہے ہمیں اس اہم کام کو تیزی سے کرنے پر مجبور نہیں کرتی؟ اگر ہم مطلوبہ رفتار سے آگے نہیں بڑھ رہے تو کیا ہمیں اپنی عادات واطوار کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ یقیناً دنیا کی زندگی مختصر ہے تو ہمیں اس کی حیثیت کے مطابق اس سے معاملہ کرنا چاہیے۔ اس دنیا کی خواہشات، تسکین، مزے ہمارے وقت کو نہ کھا جائیں کہ ہمارے پاس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کے لیے اتنا وقت ہی میسر نہ ہو جتنا کہ اس کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ** "اس دنیا میں ایسے رہو جیسے تم اجنبی یا راہ گزر ہو" (بخاری)۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ** "کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی

زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں "(التوبۃ:38)۔

مسلمان کی زندگی ایک مسافر کی سی ہے جو اس سے گزرتا چلا جاتا ہے اور اسے ایسے بسر نہیں کرتا جیسا کہ اسے یہاں پر مستقل قیام کرنا ہے۔ وہ اپنے پیشے کو تبدیل کرنے میں تاخیر نہیں کرتا اگر وہ یہ محسوس کرے کہ یہ کام اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑتا کہ وہ دعوت پر وقت لگا سکے۔ وہ اپنے کاروبار کو بڑھانے، اپنے مستقبل کو بہتر کرنے، گھر خریدنے، بچوں کی تعلیم اور اپنی رفیقِ زندگی کو خوش رکھنے کی خواہش کو محدود رکھتا ہے، کیونکہ اس کے لیے سب سے اہم وقت وہ ہے جو وہ اسلام کی دعوت میں لگاتا ہے۔ جب آپ اسے ملیں تو آپ کو اکثر اس میں بے آرامی اور نیند کی کمی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور اس حال میں بھی جب آپ اسے دعوت کے کام میں مزید حصہ ڈالنے کو کہیں تو وہ اس کے لیے بغیر کسی شکایت کے خوشی خوشی تیار ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس بیان کو سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، **لا راحة بعد اليوم يا خديجة**"اے خدیجہ، آج کے بعد کوئی آرام نہیں ہے"۔ اور جب وہ یہ بات سمجھ لے کہ فلاں کام اس دین کے لیے انتہائی ضروری ہے تو بغیر کسی تاخیر اور تذبذب کے اسے پورا کرنے کے لئے چل پڑتا ہے۔ عقبہ بن الحارث نے روایت کی: ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر تیزی سے اپنے گھر گئے اور فوراً واپس آئے۔ میں نے (یا کسی اور نے) آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا، اور آپ ﷺ نے فرمایا، **كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِنَ الصَّدَقَةِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُبَيِّتَهُ فَقَسَمْتُهُ**"" میں گھر سونے کا ایک ٹکڑا بھول آیا تھا جو صدقے کا تھا اور میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ میرے گھر رات گزارے، لہٰذا میں نے اسے تقسیم کر دیا"(بخاری)۔

مسلمان وہ ہے جو اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں جلدی کرتا ہے چاہے اُسے اپنی جان کو ہی خطرے میں کیوں نہ ڈالنا پڑے۔ مسلم نے انس بن مالک سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جاسوس کے طور پر بھیجا کہ دیکھے ابو سفیان کا کارواں کیا کر رہا ہے۔۔۔ مشرکین ہماری جانب بڑھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ** "اٹھو جنت میں داخل ہونے کے لیے جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے"۔

عمیر بن الحمام الانصاری نے کہا، يَا رَسُولَ اللَّهِ جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالأَرْضُ "اے اللہ کے رسول ﷺ، کیا جنت زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **نَعَمْ** "ہاں"۔ عمیر نے کہا، بَخٍ بَخٍ "میری خوش قسمتی!"۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا، **مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ**"کس چیز نے تمہیں یہ الفاظ کہنے پر مجبور کیا (میری خوش قسمتی!)؟"۔ انہوں نے کہا، لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلاَّ رَجَاءَةَ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا "اے اللہ کے رسول ﷺ، کسی چیز نے نہیں سوائے اس خواہش کے کہ میں بھی اس کا رہائشی بن جاؤں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا** "تم یقیناً اس کے رہائشیوں میں سے ہو"۔ عمیر نے اپنے تھیلے سے کھجوریں نکالیں اور انہیں کھانے لگے۔ پھر عمیر نے کہا، لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هَذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ "اگر میں اتنی زندگی پاؤں کہ یہ تمام کھجوریں کھا سکوں، تو یہ بہت طویل زندگی ہو گی"۔ راوی نے کہا: "عمیر نے اپنی تمام کھجوریں پھینک دیں۔ پھر وہ دشمن سے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک وہ شہید نہیں ہو گئے"۔ یقیناً مسلمان اعلیٰ ترین قربانی دینے کے لیے دنیا میں اپنا آخری کھانا کھانے کے لیے درکار وقت بھی لگانا پسند نہیں کرتا۔

یقیناً دنیا کی یہ زندگی عارضی اور مختصر ہے اور کوئی نہیں جانتا کب اس کا اختتام ہو جائے، تو ہمیں اس حقیقت کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اگر ہم سوئے پڑے ہیں تو اس سے نکل کر عمل کی دنیا میں آئیں۔ اگر ہم عمل کر رہے ہیں تو اس میں تیزی لائیں۔ آج کے دن کرنے والے کاموں کو آج ہی کے دن ختم کریں تاکہ آنے والے کل دوسرے نئے کاموں کا آغاز کیا جائے۔ ہماری رفتار کا تعین اس چیز کے مطابق ہونا چاہیے جس کا تقاضا ہمارا دین اور ہماری امت کرتی ہے نہ کہ ہم اپنی مرضی کی رفتار پر چلیں۔ آئیں اور بھرپور تحریکی جدوجہد کریں تاکہ اس مختصر سی زندگی میں ہمارے تمام اعمال پر ہمیں اجر ملے اور جب ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور پیش ہوں تو وہ ہم سے راضی ہو۔

آج کے دن کرنے والے کاموں کو آج ہی کے دن ختم کریں تاکہ آنے والے کل دوسرے نئے کاموں کا آغاز کیا جائے۔ ہماری رفتار کا تعین اس چیز کے مطابق ہونا چاہیے جس کا تقاضا ہمارا دین اور ہماری امت کرتی ہے نہ کہ ہم اپنی مرضی کی رفتار پر چلیں۔ آئیں اور بھرپور تحریکی جدوجہد کریں تاکہ اس مختصر سی زندگی میں ہمارے تمام اعمال پر ہمیں اجر ملے اور جب ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور پیش ہوں تو وہ ہم سے راضی ہو۔

**ختم شد**

# امامِ اعظم: ابو حنیفہ النعمان (80 – 150 ہجری)

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

**ان کے اساتذہ:**

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "میں علم اور فقہ کے مرکز میں تھا، میں فقہا کے ساتھ بیٹھا اور پڑھا، میں نے فقہ پر عمل کیا اور فقہا کے ہی ذریعے ایک فقیہ بنا"۔ اس روایت میں امام ابو حنیفہ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ ایک استاد کے ساتھ ہی منسلک رہے، ایک ہی استاد کے ساتھ وقف رہنے کا یہ طرز ہمیں تمام اماموں میں نظر آتا ہے۔ امام مالک ،ابنِ ھرمز کے ساتھ رہے، امام شافعی امام مالک کے ساتھ اور امام احمد امام شافعی کے عراق جانے تک ان کے ساتھ رہے۔ ایک استاد سے ساتھ منسلک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر اساتذہ کا انکار کیا جائے یا ان سے سوال نہ پوچھا جائے یا علم نہ حاصل کیا جائے۔ بلکہ استاد کے ساتھ اس تعلق کا مطلب یہ ہے کہ وہ طالب علم اس استاد کو سب سے زیادہ عالم اور اپنے لیے سب سے زیادہ گرم جوش دیکھتا ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کرنا دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند اور زیادہ علم کے حصول کا سبب بنے گا۔

جہاں تک ان اساتذہ کا تعلق ہے جن کے ساتھ امام ابو حنیفہ منسلک رہے، وہ حماد بن ابی سلیمان تھے۔ امام ابو حنیفہ ان کے ساتھ 18 سال رہے۔ امام نے اپنے استاد سے اپنے بارے میں روایت نقل کی ہے جو انہوں نے ابو حنیفہ کی یاداشت، تجزیے اور امتیاز کے بارے میں کہی کہ "حلقہ میں سب سے آگے میرے ساتھ کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے ابو حنیفہ کے"۔

ابو حنیفہ نے ایک واضح وجہ سے استاد کے طور پر حماد کا انتخاب کیا۔ کوفہ اساتذہ اور علماء سے بھرا پڑا تھا مگر انھوں نے حماد کو چنا کیونکہ ان کے پاس اولین صحابہؓ سے حاصل شدہ علم تھا، وہ صحابہ جو اپنے علم کی وسعت میں مشہور تھے اور انھوں نے عقیدہ اور شرع کے اصول براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سیکھے تھے، ان میں عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ شامل ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے علم حماد سے لیا اور حماد نے علم ابراہیم نخعی سے لیا جو اولین تابعین میں سے تھے، اور عراق کے فقیہ اور کوفہ کے محدث تھے۔ وہ اپنے تقویٰ، خوفِ خدا، عبادات اور دین پر مضبوطی کی وجہ سے جانے جاتے تھے۔ ان کا انتقال 50 سال کی عمر میں 96 ہجری میں ہوا۔ شعبی نے ان کی تدفین پر کہا: "تم نے ایک بہترین انسان کو دفنایا ہے"۔ کسی نے پوچھا، "کون؟ کیا حسن؟"، یعنی حسن البصری، تو انھوں نے کہا: "حسن، اہلِ بصرہ، اہلِ کوفہ، اہلِ شام اور اہلِ حجاز سے زیادہ سمجھ رکھنے والا"۔ ابراہیم نخعی کا سعید بن جُبیر کے نظر میں جو مقام تھا، وہ ان کے اس قول سے پتہ چلتا ہے: "تم مجھ سے فتویٰ مانگتے ہو جبکہ تمہارے درمیان ابراہیم نخعی موجود ہیں"۔ اپنی عجز و انکساری کے باعث وہ اس وقت تک نہیں بولتے تھے جب تک سوال نہ کیا جائے، اور جب سوال کیا جاتا تو کہتے، "میں نے بات کی اور اگر چپ رہنے کی کوئی وجہ ہوتی تو نہ بولتا۔ جس زمانے میں میں کوفہ کا فقیہ ہوں یہ ایک بُرا وقت ہے"۔ ابراہیم نخعی کی فقہی آراء ان کو اپنا ایک مذہب بنانے کے انتہائی قریب لے آئیں۔ معاملات میں نہ پڑنے کی عادت اور ایک آنکھ سے محرومی کے باوجود ان کی بہت عزت تھی، یہاں تک کہ سفیان بن مغیرہ نے کہا: "ہم ابراہیم نخعی کی عزت ایک ماہر استاد کی طرح کرتے تھے"۔ ابراہیم نے عائشہؓ سے ملاقاتیں کیں اور جب وہ چھوٹی عمر میں حج کے لیے گئے تو انہیں عائشہؓ کی رفاقت نصیب ہوئی۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "میں علم اور فقہ کے مرکز میں تھا، میں فقہا کے ساتھ بیٹھا اور پڑھا، میں نے فقہ پر عمل کیا اور فقہا کے ہی ذریعے ایک فقیہ بنا"۔

امام ابو حنیفہ کے استاد، حماد نے عامر الشعبی سے بھی علم سیکھا جو ابراہیم نخعی کے قریبی دوست تھے۔ یہ دونوں علم میں جڑواں تھے اور اکٹھے یاد کیے جاتے تھے۔ امام شعبی کوفہ اور کوفہ کے باہر، فقہاء کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے 500 صحابہؓ کو جانتے تھے۔ انھوں نے اُن سے علم سیکھا اور اُن کو سنا۔ کوفہ میں ان کا ایک بڑا حلقۂ تدریس تھا۔ محمد بن سیرین نے کہا، "میں کوفہ آیا تو شعبی کا ایک بہت بڑا حلقہ تھا اور اُن دِنوں اصحابِ رسول کی تعداد بہت تھی"۔ ابنِ شہاب زُہری کہتے ہیں: "علماء چار ہیں، ابن مُسیب مدینہ میں، شعبی کوفہ میں، البصری بصرہ میں اور مکحول شام میں"۔

وہ تیسرے عالم جن سے امام ابو حنیفہ کے استاد، حماد نے علم سیکھا، وہ سعید بن جبیر ہیں جنہیں حجاج نے 50 سال کی عمر میں 95 ہجری میں قتل کر دیا تھا۔ حجاج نے کئی اسلام کے علماء کو قتل کیا جن کی امت نے اتنی تکلیف محسوس نہیں کی تھی جتنی سعید بن جبیر کے قتل کی تھی۔ کیونکہ وہ تابعین میں سب سے مشہور اور فقیہ، عالم اور قاری تھے جو رمضان میں مسلمانوں کی نماز میں امامت کرواتے تھے۔

ایک رات وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں تلاوت کرتے تھے تو دوسرے رات میں زید بن ثابتؓ کی قرأت میں اور پھر کسی اور کی قرأت میں تلاوت کرتے تھے۔ سعید بن جبیر دین میں اپنے علم کی وجہ سے اپنے دور کے کئی تابعین سے ممتاز مانے جاتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ طلاق کے معاملات میں سب سے زیادہ عالم سعید بن مسیب، حج کے معاملات میں عطا بن ابی رباح، حلال اور حرام میں طاوٗس، تفسیر میں مجاہد بن جبر ہیں، مگر ان سب سے فاضل سعید بن جبیر ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کہا، "حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا، زمین پر کوئی ایسا نہیں جس کو ان کے علم کی ضرورت نہ ہو"۔

جہاں تک حماد بن سلیمان کا تعلق ہے جنھوں نے ان سب سے علم سیکھا، اور وہ امام ابو حنیفہ کے اساتذہ میں سے سب سے اہم تھے تو امام ابو حنیفہ ان کے ساتھ رہے، ان کے ساتھ طویل نشستوں میں بیٹھے، ان کے لیے ہمیشہ موجود رہے اور انہی کے پاس آئے۔ حماد کئی اماموں اور فقہاء کے استاد رہے جن میں سفیان ثوری اور شعبہ بن حجاج شامل ہیں جو فقیہ، محدث اور راوی ہیں اور جن کے بارے میں امام شافعی نے کہا، "اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا علم موجود نہ ہوتا"۔ ان کی فقہ کی سمجھ دو عظیم صحابہ، علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے فہم کے نہایت قریب تھی۔

جہاں تک امام ابو حنیفہ کے دیگر اساتذہ کا تعلق ہے جن سے انھوں نے علم سیکھا، تو وہ اہلِ کوفہ میں سے محارب بن دثار اور سماک بن حرب ہیں جو 80 صحابہؓ کو جانتے تھے اور انہوں نے ان سے علم سیکھا اور روایت کی۔ انھوں نے اولین تابعین سے بھی علم سیکھا جن میں عبد الکریم ابو اُمیہ اور عطیہ بن سعد بن جنادہ شامل ہیں جنھوں نے کچھ صحابہؓ سے روایات کیں۔ اور ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو علم حدیث، فقہ، شاعری، علم الرجال اور قانونی معاملات کا وسیع علم رکھتے تھے اور انہیں امین، صدیق، ثقہ اور عبادت و زہد میں کثرت رکھنے، حتیٰ کہ گھڑ سواری میں مہارت کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ امام ابو حنیفہ کے کچھ اساتذہ تھے جو کوفہ سے نہیں تھے، ان میں انس بن مالکؓ ہیں جو آخری صحابی تھے اور بصرہ میں فوت ہوئے۔ ان میں تابعی ہشام بن عروہ بن زبیر ہیں جو صحابی عبداللہ بن زبیرؓ کے بھتیجے ہیں۔ ہشام نے دونوں صحابہ عبداللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ کو دیکھا۔ اس کے علاوہ تابعی عطاء بن ابی رباح جو مکہ کے مفتی اور فقیہ تھے، جنھوں نے بہت سے صحابہؓ

سعید بن جبیر دین میں اپنے علم کی وجہ سے اپنے دور کے کئی تابعین سے ممتاز مانے جاتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ طلاق کے معاملات میں سب سے زیادہ عالم سعید بن مسیب، حج کے معاملات میں عطا بن ابی رباح، حلال اور حرام میں طاوٗس، تفسیر میں مجاہد بن جبر ہیں، مگر ان سب سے فاضل سعید بن جبیر ہیں۔

سے علم سیکھا اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے 200 صحابہؓ کو دیکھا۔ پھر نافع مولا عبداللہ بن عمر تھے جنھوں نے کئی صحابہؓ کو سنا اور جن کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے مصر بھیجا تھا تاکہ مصریوں کو سنت سکھائی جائے۔ اہلُ الحدیث طبقے کے مطابق: "شافعی سے مالک سے نافع سے ابن عمر کی سند ان تمام کے جلال کی وجہ سے ایک بھی اساتذہ تھے۔ سنہری سند ہے"۔ پھر امام ابو حنیفہ کے اہل بیت میں سے

امام ابو حنیفہ اہل بیت کی بہت عزت کرتے تھے، ان سے محبت کرتے تھے، ان سے قبول کرتے تھے اور ان کی قدر کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے ان سے علم سیکھا۔ وہ محمد الباقر اور ان کے بھائی زید سے بھی ملے، جو زین العابدین علی بن الحسین کے بیٹے ہیں۔ وہ دونوں امام ابو حنیفہ سے عمر رسیدہ تھے، لہٰذا ان سے سیکھا، خصوصاً زید سے جن سے بہت علم سیکھا۔

جہاں تک محمد الباقر کا تعلق ہے، وہ ایک عظیم عالم تھے جن میں اہل بیت والی اخلاق صفات پائی جاتی تھیں، جیسے شفقت اور وقار۔ ان کو باقر اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان میں علم سیکھنے کی بہت صلاحیت تھی۔ الباقر اپنے دونوں والدین کی طرف سے اہل بیت میں سے تھے اور تابعین علماء میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے والد، اپنے دونوں دادا، حسن اور حسین، اپنے چچا، ابو ہریرہ، محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ایسی دیگر ہستیوں سے روایات کی ہیں۔ ان کے بارے میں بہت سے عظیم علماء نے روایات کیں ہیں جن میں ان کے بیٹے جعفر صادق، اس کے علاوہ محمد بن شہاب زُہری اور عمر بن دینار شامل ہیں۔ امام محمد الباقر نے ان کے خلاف انتہائی سختی کا مظاہرہ کیا جنھوں نے برائی کے ساتھ خلفاء راشدین کے مخالفت کی۔

جہاں تک زید بن علی زین العابدین کا تعلق ہے جو اہلِ بیت میں سے تھے، تو ان سے بھی امام ابو حنیفہ نے علم سیکھا۔ وہ محمد الباقر کے بھائی تھے اور علم اور حدیث میں ماہر تھے اور بہادر انسان تھے۔ ان کے بھتیجے جعفر صادق نے کہا، "اللہ ہمارے چچا پر رحم کرے، اللہ کی قسم وہ ہمارے ماہر استاد ہیں۔ اللہ کی قسم دنیا اور آخرت میں اب ہم میں سے ان جیسا کوئی نہیں"۔ زید ایک مذہب کے امام بھی ہیں جو ان کے نام پر ہے۔ امام زید فقہا میں ابان بن عثمان، ابن شہاب زُہری، عروہ بن زبیر، شعبہ بن حجاج اور دیگر سے روایات نقل کیں۔ شیعہ فقہا میں انھوں نے اپنے والد زین العابدین اور اپنے بھائی محمد الباقر جو ان سے 10 سال

بڑے تھے، سے روایات لیں۔ امام زید کا مذہب ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت کو تسلیم کرتا ہے، اگرچہ وہ علیؓ کو پہلے دو خلفاء سے افضل سمجھتے تھے لیکن ان کا مذہب بہتر کی موجودگی میں کسی اور امامت کی اجازت دیتا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق ابو بکرؓ کی خلافت تمام صحابہؓ کی رائے اور ان کے اختیار کیے گئے شرعی قواعد کے تحت انجام پائی تھی۔ زید حجاز میں قیام کے دوران امام ابو حنیفہ کے استاد رہے اور امام ابو حنیفہ نے زید کے بارے میں کہا، "میں زید کو ایسے ہی دیکھتا تھا جیسے ان کے خاندان کو۔ میں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقہی سمجھ، زیادہ علم، حاضر جواب اور فصیح گفتگو والا شخص نہیں دیکھا۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں"۔

جہاں تک عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب کا تعلق ہے، جو امام ابو حنیفہ کے استاد تھے اور ایک عظیم عالم اور محدث تھے، تو ان کے متعلق مصعب بن عبداللہ نے کہا: "میں نے اپنے علماء میں سے کوئی ایسا نہیں دیکھا جس کی اتنی عزت کی جاتی ہو جتنی عبداللہ بن حسن بن حسن کی"۔ انھوں نے اپنے والد، اپنی والدہ، اپنے دادا کے رشتے دار عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب، اعرج اور عِکرمہ سے روایات کیں۔ وہ جنھوں نے ان سے روایات کیں، ان میں سے بیشتر فقہ کے امام ہیں جیسے امام مالک اور سفیان ثوری۔ ان کا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک بھی ایک مرتبہ اور مقام تھا۔

جہاں تک امام جعفر صادق بن امام محمد الباقر کا تعلق ہے، تو ان کو صادق اپنی سچائی اور ایمان داری کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ متعدد مورخین نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے 55 حج کیے، اور 130 سے 136 ہجری کے درمیان مکہ میں قیام کیا۔

**امام ابو حنیفہ کا حلقہ:** امام ابو حنیفہ نے اپنے استاد حماد بن سلیمان کی وفات (120 ہجری) تک علیحدہ حلقہ نہیں بنایا۔ انہوں نے ایک دفعہ کوشش کی کہ اپنے استاد کا حلقہ چھوڑ کر علیحدہ حلقہ بنائیں۔ مگر ایک مرتبہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے، تو انھوں نے اپنے استاد کو دیکھا اور انتہائی شرم محسوس کی، چنانچہ وہ اپنے استاد کے پہلو میں اپنی جگہ پر آ گئے۔

اسی دن اتفاق سے ان کے استاد کو اپنے حصے کی وراثت حاصل کرنے کے لیے اپنے آبائی علاقے بصرہ سفر کرنا پڑا۔ لہٰذا حماد نے اپنی عدم موجودگی میں دو مہینے کے لیے

زید حجاز میں قیام کے دوران امام ابو حنیفہ کے استاد رہے اور امام ابو حنیفہ نے زید کے بارے میں کہا، "میں زید کو ایسے ہی دیکھتا تھا جیسے ان کے خاندان کو۔ میں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقہی سمجھ، زیادہ علم، حاضر جواب اور فصیح گفتگو والا شخص نہیں دیکھا۔ ان کا کوئی مقابلہ نہیں"۔

اپنے حلقہ کی ذمہ داری ابو حنیفہ کو سونپ دی۔ کوفہ واپسی پر ان کے طلباء نے ان کو تمام مسائل کے تفصیلات دیں جو انھوں نے محفوظ کیں تھیں۔ حماد نے 40 جوابات کی تصدیق کی اور 20 کو رد کیا۔ لہٰذا ابو حنیفہ یہ جان کر کچھ غمگیں ہوئے کہ وہ ابھی فکری پختگی تک نہیں پہنچے، باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ایک ہی حلقہ تک محدود رکھا۔

**کوفہ کی مسجد میں ہونے والے حلقات:** امام ابو حنیفہ کے بقول کوفہ علم کی کان تھا اور اس کی سب سے بڑی مسجد فقہی حلقات کا گڑھ تھی۔ اس میں بینائی سے محروم سلیمان بن مہران، جو اپنی فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے، کا حلقہ، مسعر بن کدام کا حلقہ جن کو "المصحف" کہا جاتا تھا اور سفیان ثوری کا حلقہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا حلقہ سب سے بڑا اور وسیع تھا، خاص طور پر جب مسعر اور سفیان اپنے حلقات کے ساتھ مکہ چلے گئے۔ یہ حلقات فقہ اور حدیث تک محدود نہ تھے، بلکہ قرأت کے حلقات بھی تھے جیسے حمزہ بن حبیب القاری کا حلقہ جن کی قرات آفاقی طور پر قبول کی جاتی تھی۔ سفیان ثوری نے حمزہ کے بارے میں کہا کہ وہ تاثیر کے بغیر قرآن سے کچھ تلاوت نہیں کرتے۔ پھر ایک اور مشہور قاری شعبہ بن عیاش بن سالم ازدی کا حلقہ تھا۔ حمزہ اور شعبہ کے حلقات سے برتر عاصم کا حلقہ تھا جو قرأت میں ابو حنیفہ کے شیخ تھے۔ مسجد کوفہ میں ان تمام حلقات کی موجودگی میں امام ابو حنیفہ کا حلقہ اپنے کثرتِ علم کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اگر وہ حج کا ارادہ کرتے، جو انہوں نے 55 بار کیا، تو ان کی شہرت کی وجہ سے ان کا حلقہ ان کے ساتھ جاتا اور یہی حالت مدینہ سفر کی بھی تھی۔ انہوں نے امام مالک سے ملاقات کی اور ان سے دینی امور اور فقہ پر سوالات کیے اور اکثر دونوں ایک ہی رائے پر متفق ہوتے۔ علماء کے اذہان میں امام ابو حنیفہ کا خاکہ ایسا تھا کہ ان کے پاس تین چوتھائی علم ہے اور وہ سوالات کرتے اور ان کے جوابات دیتے ہیں۔ اس لیے زاہد امام فضیل بن عیاض ان کے بارے میں کہتے ہیں، "امام ابو حنیفہ اپنی فقہ، سخاوت، مال اور اعلیٰ اقدار کی وجہ سے مشہور تھے"۔ انہوں نے مزید کہا، "وہ بہت صبر سے دن رات علم سکھاتے، ان کی راتیں بہت خوب ہوتیں تھیں، وہ چپ رہتے اور کم بولتے تھے سوائے حلال اور حرام کے معاملے کے۔ انہوں نے حق کی بلندیوں کو چھوا اور حکمرانوں کی دولت سے دور رہے"۔ ان کے دور کے ایک اور عالم عبداللہ بن مبارک ان کے ایک حلقہ جس میں مسعر بن کدام

شامل تھے، کے بارے میں کہتے ہیں، "میں نے معسر کو ابو حنیفہ کے حلقہ میں ان کے ساتھ دیکھا، ان سے پوچھتے ہوئے اور فائدہ حاصل کرتے ہوئے اور میں نے کوئی ایسا نہیں دیکھا جو فقہ میں ابو حنیفہ سے بہتر بولتا ہو"۔ معسر اس حلقہ کے بارے میں کہتے ہیں، "وہ لوگ دن میں اپنے معاملات کے لیے نکلتے اور پھر امام ابو حنیفہ سے آکر ملتے، اور وہ ان کے لیے نیچے بیٹھ جاتے۔ سوال اور بحث کرنے والے اپنی آوازیں ضرورت سے زیادہ اونچی کرلیتے"۔ معسر سے مزید کہا، إن رجلاً يُسكن الله به هذه الأصوات لعظيم الشأن "ان آوازوں میں بھی ایک انسان کا اللہ کی طرف سے کامیابی حاصل کرلینا ایک بہترین معاملہ ہے"۔

ابو حنیفہ کا حلقہ علم کی تحقیق کے لیے ایک مجمع تھا جہاں بحث عام تھی اور دن رات معاملات پر تحقیق ہوتی تھی۔ اگر امام ایک تسلی بخش رائے تک نہیں پہنچتے تھے تو اپنے شاگرد ابو یوسفؒ سے کہتے، "اس کو فلاں کے دروازے پر لگا دو"۔

امام ابو حنیفہ ایک کھلے ذہن کے مالک تھے، وہ اپنی رائے کو تحریر نہیں ہونے دیتے جب تک اس کی درستگی پر مکمل یقین نہ ہو۔ لہٰذا انہوں نے عمر الفاروق کی اقدار کی پیروی کی جہاں عمر الفاروق نے موسیٰ العشری کو کسی ایسے فتویٰ پر چلنے سے منع کیا جو غلط ثابت ہو جائے۔ اور ابو حنیفہ نے یہی کیا، اگر کسی رائے کے بعد ان کو یہ واضح ہو گیا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

ابو حنیفہ نے اس شخص کو تنبیہ کی جو دنیاوی مفاد کے لیے عالم بن بیٹھا، من تعلم العلم للدنيا حرم بركته، ولم يرسخ في قلبه. ومن تعلمه للدين بورك له في علمه، ورسخ في قلبه، وانتفع المقتبسون منه "جو کوئی اس دنیا کے لیے علم حاصل کرے گا، وہ برکات سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور علم اس کے دل میں نہیں اترے گا۔ اور جو کوئی دین کے لیے سیکھے گا، اس میں برکت ہو گی اور وہ اس کے دل میں اترے گا اور طلباء اس سے مستفید ہوں گے"۔ ابو حنیفہ ایک مالدار انسان تھے اور ان کا منافع بخش کاروبار تھا لیکن وہ اپنے طلباء پر بھی خرچتے تھے تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضروریات پوری کر سکیں، جسے آج کے زمانے میں اسکالر شپ کہا جاتا ہے۔ یہ اچھا عمل ابو حنیفہ نے اپنے استاد حماد سے لیا اور انہوں نے اپنے استاد ابراھیم النخعی سے لیا۔ ابو یوسف کہتے تھے، "ابو حنیفہ میرے ساتھ 25 سال رہے اور اگر میں ان سے کہتا کہ میں نے آپ سے بہتر انسان نہیں دیکھا تو کہتے، کیسے؟! اگر تم حماد کو دیکھ لیتے (تو یہ نہ کہتے)۔ وہ کہتے، میں نے حماد کی وفات سے آج تک ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں ان کے لیے اور اپنے والد کے لیے مغفرت نہ مانگی ہو، اور وہ جنہوں نے ان سے سیکھا اور جنہوں نے ان کو سکھایا"۔ جب انھوں نے ابو یوسف میں کمال اور ارادے کی مضبوطی دیکھی تو نصیحت کی، كن من السلطان كما أنت من النار، تنتفع بها وتتباعد عنها، ولا تدنُ منها؛ فإنك تحترق وتتأذى منها؛ فإن السلطان لا يرى لأحد ما يرى لنفسه "حکمرن سے ایسے محتاط رہو جیسے آگ سے، تم اس سے فائدہ اٹھاؤ مگر تم اس کے پاس نہیں جا سکتے سوائے اس کے کہ وہ تمھیں جلائے اور نقصان پہنچائے کیونکہ حکمران کسی اور کے لیے وہ نہیں دیکھتا جو وہ اپنے لیے دیکھتا ہے"۔

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 14 سے

اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم کھڑے ہو کر مغرب کے اس کرپٹ اور دھوکے پر مبنی سیکولر ایجنڈے کو روکیں، جو ہماری نوجوان نسل اور امت کو تباہ کر رہا ہے، اور اس وقت کو واپس لائیں جب مسلمان تعلیم میں بہترین تھے اور سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنے عقائد کے خلاف جائے بغیر زبردست کردار ادا کرتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ نجی اسکولوں میں فیس میں اضافے کے خلاف آپ کے مظاہروں نے حکومت اور نجی اداروں کو اقدامات پر مجبور کیا۔ لہٰذا یہ سمجھیں کہ آپ کی کیا طاقت ہے اور یہ طاقت ان استعماری ایجنٹوں کے تخت ہلا سکتی ہے۔ یقیناً دین کی حفاظت کے لیے خلافت اس وقت امت کی ضرورت ہے اور اللہ کے اذن سے اور ہماری کوششوں سے وہ ہمارے بچوں کو اس سیکولرازم کی بیماری سے نجات دلائے گی۔

اخلاق جہاں کی طرف سے حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لیے تحریر کیا گیا۔

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 18 سے

مدد کرنے سے روکتے ہیں۔ خلافت غیر مسلم ممالک کی حقیقت کو دیکھتے ہوئے ان سے مزاکرات، معاہدے اور مختلف امور پر موقف اختیار کرے گی۔ خلافت ان ریاستوں کے ساتھ معاہدے کرے گی جو جارح نہیں ہیں اور اس طرح انہیں اسلام میں داخل ہونے میں سہولت فراہم ہو گی۔ خلافت ان ممالک کے خلاف جنگی موقف اپنائے گی جو جارح ہیں تاکہ اپنے شہریوں کو ان سے تحفظ فراہم کرے۔ اور بین الاقوامی سطح پر وہ دنیا کو ویسٹ فیلین نمونے کو مسترد کرنے کی حوصلہ افزائی کرے گی، اس کے دہرے معیار کو بے نقاب کرے گی اور یہ کہ کس طرح استعماری ممالک اس کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں۔ اور خلافت جارح ریاستوں کو اپنے منہ سے ویسٹ فیلیا کا منافقت پر مبنی پردہ اتار دینے پر مجبور کردے گی کیونکہ وہ درحقیقت کسی اصول ضابطے کو نہیں مانتے بلکہ صرف اور صرف اپنا مفاد دیکھتے ہیں۔ یقیناً اگر ایک ایسی طاقت ابھرتی ہے جو ریاستوں کے درمیان تعلقات کے لیے ایک بالکل نئی بنیاد فراہم کرے تو ان استعماری ریاستوں کو اس کو بھی قبول کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی بلکہ اگر وہ انہیں فائدہ مند لگے گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی دوسرے ممالک سے تعلقات استوار کرنے کے لیے اسے استعمال کریں۔

**ختم شد**

# اپنے مغربی آقاؤں کی خوشی کی خاطر بصیرت سے عاری پاکستانی حکومت اپنے تعلیمی نظام کو سیکولر بنانے میں تیزی دکھارہی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستانی تعلیمی نظام کو درپیش متعدد مسائل میں سے سب سے خطرناک مسئلہ اسکولوں کو سیکولر بنانے کا ہے کیونکہ آلودہ افکار مستقبل کی نسلوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سیکولرازم کے تصور کی جڑیں اس مشنری یلغار میں موجود ہیں جو مسلم علاقوں میں خلافت کے انہدام سے قبل وقوع پزیر ہوئی تھی۔ براعظم ایشیاء میں یہ عرب علاقوں سے پہلے شروع ہوگئی تھی جب مغل حکومت کا خاتمہ ہوا۔ لارڈ میکالے نے بیان دیا جس میں اس نے لوگوں کا اسلامی ثقافت پر فخر ختم کرنے اور انگریزی زبان وثقافت کو آسمانی صحیفے کی طرح قبول کرنے اور اس سے محبت پیدا کرنے کے لیے، ہند کے اس پرانے اور قدیم تعلیمی نظام کو بدلنے کی بات کی، جو اسلام پر مبنی تھا۔ سینٹر فار ریسرچ اینڈ سیکیورٹی اسٹڈیز کی ایک رپورٹ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ استعمار پاکستانی تعلیمی نظام میں کیا مسائل دیکھتا ہے۔ اس کے مطابق چوتھی اور پانچویں جماعت کی کتابیں ہندو مخالف اور سکھ مخالف مواد سے بھری پڑی ہیں۔ چھٹی جماعت سے عیسائی مخالف، انگریز مخالف اور یورپی مخالف افکار شروع ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ عیسائی اور یورپی لوگ مسلمانوں کو زندگی میں ترقی کرتا دیکھ کر ناخوش تھے۔ ساتویں جماعت سے یہودی مخالف مواد شروع ہوتا ہے۔ نویں دسویں جماعت سے جہاد کی اہمیت سکھائی جاتی ہے۔ اقتباسات جن میں 1965 کی پاک بھارت جنگ میں بھارت کو برا بتایا جاتا ہے اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو بھارت کی سازش گردانا جاتا ہے۔ پاکستان میں سیکولرازم کا ایجنڈا دو طریقے سے کام کررہا ہے: ایک طریقہ حکومتی یا پبلک سیکٹر کے ذریعے سے کام کررہا ہے جہاں بچوں کے اذہان کو سیکولر نظریات اور خیالات کا غلام بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ حکومت کے امریکی آقاؤں کے مفادات کا تحفظ ہوسکے۔ یہ نظریات طالب علموں پر مسلط کیے جارہے ہیں اور ان پر لازم کیا جارہا ہے کہ وہ اسے ایک لازمی دوائی کے طور پر لیں چاہے اس کے کچھ بھی اثرات برآمد ہوں۔ پاکستان میں حکمرانوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی مفادات کے مطابق نصاب سے کھلواڑ


پاکستانی تعلیمی نظام کو درپیش متعدد مسائل میں سے سب سے خطرناک مسئلہ اسکولوں کو سیکولر بنانے کا ہے کیونکہ آلودہ افکار مستقبل کی نسلوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ سیکولرازم کے تصور کی جڑیں اس مشنری یلغار میں موجود ہیں جو مسلم علاقوں میں خلافت کے انہدام سے قبل وقوع پزیر ہوئی تھی۔


کیا ہے۔ مثلاً ضیاء کے دور میں وقت کی ضرورت یہ تھی کہ لوگوں کو اسلامی جذبات کے ذریعے روس کے خلاف لڑنے پر ابھارا جائے، تو اس نے اسلامیات کو پرائمری سے یونیورسٹی تک لازمی قرار دے دیا۔ چھٹی جماعت سے سرکاری اسکولوں میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی جو بعد میں بغیر کسی وضاحت کے روک دی گئی۔

مشرف دور میں مفادات بدل گئے جب پاکستان نے امریکہ کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ لہٰذا نصاب کے سلسلے میں امریکی احکامات کی پیروی کی گئی، مگر اس بار یہ نصاب میں سے جہاد کو نکالنے کے لیے تھی۔ مشرف نے بھی تعلیمی سیکٹر کی اصلاحات کا اعلان کیا، جن کا ظاہراً مقصد نصاب کی تبدیلی کے ذریعے تعلیمی نظام کو جدید بنانا تھا۔ مگر ان اصلاحات کا ایک بڑا ہدف تعلیمی نظام کو مزید سیکولر بنانا تھا، جس کا پسِ منظر عالمی دباؤ میں اضافہ اور پاکستان میں لوگوں کی اسلام سے شدید وابستگی تھی۔ 9/11 کے بعد امریکی صدر جارج بش نے کہا، "صدر مشرف نے زبردست قائدانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے"، لیکن کچھ مواقعوں پر بش کو صدر مشرف سے خود بات کرنی پڑی تاکہ اس کو کچھ پالیسیوں، خصوصاً تعلیمی پالیسی، کی تبدیلی کے حوالے سے یاد دہانی کرواسکے۔

پچھلی کچھ دہائیوں سے پاکستان کا تعلیمی نظام مغربی استعماری حکومتوں اور اداروں کے ہاتھوں اس میں موجود اسلامی افکار و نظریات کو نکالنے کے حوالے سے منصوبوں اور پروگراموں کا سامنا کرتا آرہا ہے۔ لیکن "دہشت گردی" کے خلاف جنگ میں شمولیت نے اس منصوبے پر کام کو مزید تیز کردیا تاکہ پاکستانی بچوں کے اذہان کو استعماری افکار وخیالات سے بھر دیا جائے۔ اب اسے بنیاد پرستوں کے خلاف ایک جنگ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو مغربی استعمار اور ان کے ایجنٹوں کے مطابق اسلامی ذہنیت رکھتے ہیں اور تعلیم کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ حکومت اس دلیل کو استعمال کرتی ہے تاکہ اسلامی تاریخ اور علوم کو مزید کم کیا جاسکے۔ ہماری شاندار تاریخ کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے صرف

مخصوص منتخب تاریخ ہی پڑھائی جاتی ہے۔اور مغرب کی سنہری لڑکی یعنی ملالہ یوسفزئی اور ارفع کریم پر مضامین چوتھی جماعت کی معاشرتی علوم کی کتاب میں ڈالے گئے ہیں، جبکہ مغرب کی چاپلوسی کرنے والے حکمرانوں، بے نظیر بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو، کو بتدریج پانچویں اور چھٹی جماعت کی کتابوں میں شامل کیا جائے گا۔اسلام اور اسلامی تعلیمات کسی بھی مسلمان کے علم کا محور و مرکز ہونا چاہیے۔ مگر 2004 میں قومی اسمبلی کے ایک اجلاس میں وزیر تعلیم زبیدہ جلال نے لعیق خان (ایم ایم اے، سندھ) کے سوال "اِنٹر میں فرسٹ ایئر کی بیالوجی کی کتاب سے قرآنی آیات کیوں نکالی گئیں؟" کے جواب میں کہا، "قرآنی آیات کی شمولیت نصاب کی ضرورت نہیں"۔2006 میں پرائمری کے نصاب میں کچھ تبدیلیاں کی گئی اور اسلامیات سے متعلق مواد کو دیگر تمام مضامین (سبجیکٹ) سے نکال دیا گیا۔2006 میں مزید اصلاحات کا اعلان کرتے ہوئے پاکستان ایجوکیشن ٹاسک فورس بنائی گئی جس کا مقصد تعلیمی نظام میں اسلام پسندی کو کم کرنا اور اسلامی مواد کو دیگر مضامین سے نکال کر اسلامیات تک محدود کرنا تھا۔ نصاب کی ان تبدیلیوں میں جن مضامین کا اضافہ شامل تھا، ان میں جماعت 8 تا 10 کے لیے "پاکستان میں اقلیتوں کا کردار" کا مضمون ہے، جس میں پاکستان کے بننے اور اسلام سے پہلے کی تاریخ میں اقلیتوں کے کردار پر زور دیا گیا۔

پاکستان میں 69 فیصد تعلیمی ادارے پبلک ہونے کی وجہ سے حکومت کے زیر سایہ ہیں۔ان کے نصاب، تیاری، پالیسی اور معیار کے لیے وفاقی وزارت تعلیم ذمہ دار ہے۔ پھر صوبائی ادارے موجود ہیں جو قومی پالیسی، عالمی مسائل اور مارکیٹ ڈیمانڈ کی بنیاد پر تعلیمی اسکیمیں بناتے ہیں۔ مارکیٹ ڈیمانڈ اور عالمی مسائل کا تعین عام طور پر "غیر سرکاری تنظیمیں" NGOs کرتی ہیں جنہیں بیرونی امداد حاصل ہوتی ہے اور وہ ان کے مفادات کے مطابق کام کرتی ہیں۔ وزیر داخلہ چودھری نثار نے اعتراف کیا کہ پاکستان میں موجود کئی غیر سرکاری تنظیمیں NGOs کی پشت پناہی امریکہ، بھارت اور اسرائیل کرتے ہیں اور ایک NGO بنام "Save the children" کو CIA اور اسامہ بن لادن کو ڈھونڈنے سے تعلق کی بنیاد پر ملک سے نکالا گیا۔

سال 2016 میں "امریکی کمیشن برائے بین الا قوامی مذہبی آزادی" نے ایک پاکستانی NGO بنام "Peace and Education Foundation" کے تعاون سے ایک رپورٹ میں پاکستانی نصاب کی کتابوں میں مزید تبدیلیوں کی تجویز دی ہے۔ رپورٹ جس کا عنوان "Teaching intolerance in Pakistan – Religious Bias in Public School Textbooks" ہے، میں تجویز دی گئی ہے کہ "مذہبی برداشت" کو پیدا کرنے کے لیے اسلام کے واحد درست دین ہونے کی سوچ کو نصاب کی کتابوں سے نکالا جائے۔اس کے علاوہ اس رپورٹ میں اسکول کی کتابوں میں جہاد اور جنگی ہیرزو کو بڑھاوا دینے اور ان کی تعریفیں کرنے، بالخصوص محمد بن قاسم کے سندھ فتح کو بیان کرنے کی روش پر تنقید کی گئی۔اس کے علاوہ کچھ اور اسلامی عقائد کی شمولیت کا بھی ذکر کیا گیا۔ مثلاً ایک اقتباس جس کو مسئلہ گردانا گیا، "اسلام کا دین، ثقافت اور معاشرتی نظام غیر مسلموں سے یکسر مختلف ہے۔۔۔۔"۔ رپورٹ میں مزید تجویز دی گئی کہ مذہبی آزادی پر موجود بین الاقوامی سیکولر روایات نصاب کی کتابوں میں شامل کی جانی چاہیے اور ایسا کوئی مواد نہیں پڑھانا چاہیے جو ایک مذہب کو دوسرے پر فوقیت دیتا ہو۔ مزید یہ کہ نصاب ایک تعمیری وطنیت کا تصور دے جہاں تمام مذہبی اقلیتوں کے ہیروز کو نصاب میں شامل کیا جائے۔"امریکی کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی" کے مطابق ان کی "مذہبی عدم برداشت" کی زیادہ تر مثالیں جو پچھلی 2011 کی رپورٹ "Connecting the Dots: Education and Religious discrimination in Pakistan" میں شائع ہوئی تھیں، اب نصاب کی کتابوں سے نکالی جا چکی ہیں۔

مڈل اسکول میں اسلامی تاریخ ایسے پڑھائی جاتی ہے کہ اس سے یہ ثابت کیا جائے کہ کفار کو حلیف اور دوست کے طور پر لیا جا سکتا ہے، جبکہ قرآن میں سورۃ المائدہ آیت 51 میں اس کی واضح طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ادب میں شاعری اور نثر کے ذریعے بہت چھوٹی عمر سے ہی محبت اور رومانس کا مغربی نقطہ نظر اذہان میں ڈالا جاتا ہے۔

نجی سیکٹر میں بحث و تقاریر کے نام پر معاشرتی اور اخلاقی اقدار کو دین کے بارے میں شکوک پیدا کر کے ہدف بنایا جاتا ہے۔ نصاب کی کتابوں، ادبی کتابوں اور ویڈیوز کے ذریعے مغربی ثقافت سے روشناس کرانا عام بات ہے۔ مڈل اسکول میں اسلامی تاریخ ایسے پڑھائی جاتی ہے کہ اس سے یہ ثابت کیا جائے کہ کفار کو حلیف اور دوست کے طور پر لیا جا سکتا ہے، جبکہ قرآن میں سورۃ المائدہ آیت 51 میں اس کی واضح طور پر ممانعت کی گئی ہے۔ادب میں شاعری اور نثر کے ذریعے بہت چھوٹی عمر سے ہی محبت اور رومانس کا مغربی نقطہ نظر اذہان میں ڈالا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر رومیو اور جولیٹ Romeo and Juliet آٹھویں جماعت میں

پڑھائی جاتی ہے۔ کفریہ عقائد کو اسلامی لباس پہنا کر پڑھایا جاتا ہے، جیسے وہ تمام تفصیلات جو ہندوؤں اور نصرانیت کے بارے میں ہیں۔ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں جہاں غیر مسلم اساتذہ نے اسلامیات پڑھاتے ہوئے اسلامی تاریخ کا مذاق اڑایا اور تاریخ اسلام کی مشہور شخصیات حتیٰ کہ صحابہ کرام کی توہین کی۔

بہت سے اسکول جو 'O' اور 'A level' پڑھاتے ہیں، ان کا نصاب اور کتابیں برطانیہ سے آتی ہیں کیونکہ ان کے امتحانات برطانیہ میں موجود بورڈ لیتا ہے جس کے لیے نصاب ان کے معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ معاملہ ہمارے تعلیمی نظام اور پرانے استعماری آقاؤں کے درمیان ربط ظاہر کرتا ہے جنہوں نے اس ملک میں مدرسوں کا نظام ختم کر کے اس کی جگہ باقاعدہ سیکولر نظام تعلیم رائج کیا۔ ضیاء الحق کے دور میں اسلامیات اور معاشرتی علوم O' level کے طلباء کے لیے لازمی قرار دیے گئے تاکہ ان کی سند کالج کی شرائط کو پورا کرے۔ پہلے مشنری اسکول دانستہ طور پر شروع کیے گئے اور اب ہر پبلک اور پرائیویٹ اسکول مشنری سکولوں جیسا کردار ہی ادا کر رہا ہے۔ ادب، فنون لطیفہ، تاریخ، حتیٰ کہ سائنس میں بھی بچوں کو ایسا مواد دیا جاتا ہے جو ان کے اسلامی عقائد سے ٹکراتا ہے۔ مثلاً چھٹی جماعت کے بچے مصری تہذیب پڑھنے اور ریت سے ممی کے ماڈل بنانے پر مہینوں لگاتے ہیں، جبکہ مصر پر اسلام کی حکومت کو مکمل نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔

علاوہ ازیں، لڑکوں اور لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ پڑھائی اور ریسرچ کے لیے اکٹھے پڑھیں، جس کے باعث کالج کے اندر اور باہر وہ اکثر وقت اکٹھے گزارتے ہیں۔ میوزک، ڈانس اور رات گئے کنسرٹ عام روایت بن چکے ہیں جن کو پبلک سیکٹر میں بھی محظوظ ہونے کا کم خرچ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ان اداروں میں نشہ بھی عام بات ہے مگر انتظامیہ نوجوانوں کی اس ذہنی اور جسمانی تباہی پر آنکھیں بند کر کے بیٹھی ہے۔ پچھلے سال نومبر میں ایک این جی او کی رپورٹ کے مطابق اسلام آباد کے اعلیٰ درجہ کے نجی اسکولوں میں 44 فیصد سے 53 فیصد طلباء نشے کا شکار ہیں۔ طلباء کے مطابق انہیں یہ نشا دیگر طلباء سے، سڑک پر نشہ فروشوں سے اور حتیٰ کہ اساتذہ سے بھی ملتا ہے۔ نشے کے شکار ان طلباء کی عمریں 12 سے 19 سال کے درمیان ہیں مگر کچھ واقعات میں 8 سال کے بھی ملتے ہیں۔ آج کل نشے کی زیادتی سے کسی نوجوان کی موت کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ کچھ ہی عرصہ قبل ایک لڑکا اپنے ہوسٹل کے کمرے میں ہیروئین کی زیادہ مقدار کے استعمال کی وجہ سے مردہ حالت میں پایا گیا۔

**حزب التحریر کے خلافت کے لیے ترتیب دیے گئے آئین کی دفعہ 170 میں درج ہے: "تعلیمی نصاب کا اسلامی عقیدہ کی بنیاد پر استوار ہونا فرض ہے چنانچہ تمام تدریسی مواد اور تدریسی طریقے کو اس طرح وضع کیا جائے گا کہ اس بنیاد سے روگردانی نہ ہو"۔**

المیہ تو یہ ہے کہ انتظامیہ اپنی ساکھ خراب ہونے کے ڈر سے اس معاملے کو حل کرنے سے پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔

ایک پروگرام "Model United Nations" کے نام سے ملک میں اہمیت پکڑ رہا ہے۔ اس پروگرام میں طلباء عالمی طاقتوں کی پالیسیوں اور اہداف کو پڑھتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں۔ فوٹو گرافی سے لے کر تقریر تک ہر طرح کے مقابلے اس کا حصہ ہیں اور زیادہ تر مقابلوں کے بعد لڑکے اور لڑکیوں کے مخلوط کھانے، ڈانس اور محفلیں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ کی تربیت یا تو بیرونی تنظیموں یا مغرب کے پیسے پر چلنے والی مقامی تنظیموں سے کی جاتی ہے۔ اساتذہ کو تربیتی پروگراموں کے لیے امریکہ اور بھارت بھیجا جاتا ہے۔ حال ہی میں 50 پاکستانی اساتذہ چین کی دعوت پر چینی زبان سیکھنے بیجنگ گئے۔ چین کو دوست سمجھنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ پاکستانی حکام سنکیانگ کے مسلمانوں پر اپنے دین پر چلنے کے نتیجے میں ہونے والے ظلم کے بارے میں کوئی درد نہیں رکھتے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لاَ يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّواْ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاء مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ "اے ایمان والو! تم اپنا دوست ایمان والوں کے سوا کسی اور کو نہ بناؤ۔ (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو۔ ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو)" (آل عمران: 118)۔

USAID جسے 1961 میں بنایا گیا، پاکستان میں تعلیمی اصلاحات کے لیے پیسہ خرچ کر رہی ہے۔ ہم شاید یہ سوچتے ہیں کہ یہ خوش نصیبی ہے جبکہ درحقیقت یہ افسوسناک اور خطرناک بات ہے۔ یہ معاشرے اور تعلیم میں اسلامی ثقافت کی عدم موجودگی ہی ہے جو ہماری نوجوان نسل کو فکری طور پر مغربی افکار اور طرز زندگی کی طرف مائل کر رہی ہے۔ ایک ایسی ریاست میں اسلامی تعلیمی نظام کا نفاذ، جو تمام تفصیلات کے ساتھ اسلامی عقائد و قوانین کو نافذ کرے، ہی وہ طریقہ ہے جس سے نئی نسل کے اذہان میں اسلامی افکار کو داخل کیا جا سکتا ہے۔ حزب التحریر کے خلافت کے لیے ترتیب دیے گئے آئین کی دفعہ 170 میں درج ہے: "تعلیمی نصاب کا اسلامی عقیدہ کی بنیاد پر استوار ہونا فرض ہے چنانچہ تمام تدریسی مواد اور تدریسی طریقے کو اس طرح وضع کیا جائے گا کہ اس بنیاد سے روگردانی نہ ہو"۔

بقیہ صفحہ 11 پر

# ویسٹ فیلیا کے تحت قومی ریاستوں کا نظام استعماریوں کے لیے دوسری ریاستوں پر بالادستی کا طریقہ کار ہے

**تحریر: افضل قمر، پاکستان**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

موجودہ ریاستی نظام 'پوری دنیا پر یورپی ممالک نے مسلط کیا ہے جس کی بنیادیں عیسائی اصلاحی تحریکوں کے مابین ہونے والی کشمکش میں پیوست ہیں۔ موجودہ جدید سرمایہ دارانہ نظام میں اس کے کچھ نمایاں پہلوؤں موجود ہیں خصوصاً مصالحت یا سمجھوتے کا اصول۔ جہاں تک سمجھوتے کا تعلق ہے تو سمجھوتہ اس وقت تک نہیں ہو سکا تھا جب تک یورپ نے کئی صدیوں تک جنگوں کا سامنا نہیں کر لیا اور اس دوران بہت زیادہ خون نہیں بہہ گیا۔ موجودہ عالمی نظام ریاستوں پر مشتمل ہے ان ریاستوں کو ویسٹ فیلین کہا جاتا ہے کیونکہ ان ممالک پر لازم تھا کہ وہ 1649 میں "ویسٹ فیلیا امن معاہدے" کے ذریعے طے پانے والے اصولوں کو تسلیم کریں۔

یہ بات لازمی یاد رہے کہ یہ "امن" "ایک نام نہاد امن تھا۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں کوئی امن کا دور نہیں آیا بلکہ وہ دور سامنے آیا جس میں یورپی طاقتوں کے درمیان جنگیں مذہب کی بنیاد نہیں بلکہ قومی ریاست کی بنیاد پر لڑیں گئی۔ اس معاہدے نے تنازعے کو ختم نہیں کیا بلکہ صرف بین الاقوامی تنازعے کی بنیاد کو تبدیل کیا۔ اس معاہدے کا مطلب یہ بھی تھا کہ عیسائی کامن ویلتھ (Res Publica Christiana) کے تصور سے دستبرداری اختیار کر لی گئی۔ عیسائی کامن ویلتھ درحقیقت اسلامی خلافت کی مسلسل وسعت پزیری کو روکنے کے لیے ایک کوشش تھی کیونکہ اس کے نتیجے میں یورپ کے علاقے اسلام کے لیے کھلتے جا رہے تھے۔ یہ لازمی دیکھا جائے کہ ویسٹ فیلیا کے معاہدے کے نتیجے میں رومن ریاست کا جو تھوڑا بہت اثر و رسوخ تھا اس کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں شہنشاہ emperor بہت سارے دیگر بادشاہوں monarch میں سے صرف ایک بادشاہ بن کر رہ گیا اگرچہ وہ اب بھی کافی طاقتور تھا۔ ویسٹ فیلیا ماڈل کو

> **موجودہ ریاستی کا نظام پوری دنیا پر یورپی ممالک نے مسلط کیا ہے جس کی بنیادیں عیسائی اصلاحی تحریکوں کے مابین ہونے والی کشمکش سے پیوست ہیں۔ موجودہ جدید سرمایہ دارانہ نظام میں اس کے کچھ مظاہر موجود ہیں خصوصاً مصالحت یا سمجھوتے کا اصول۔**

سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس دور میں جایا جائے جب پروٹسٹنٹ اصلاحی تحریک چل رہی تھی۔ مغربی رومن ریاست کے خاتمے کے بعد روم میں ایک عیسائی چرچ کا سربراہ (سب سے بڑا بشپ) رہ گیا۔ دیگر چار بشپ مشرقی رومن ریاست سے تعلق رکھتے تھے جو 1453 تک قائم رہی تھی جب خلافت نے قسطنطنیہ کو اسلام کے لیے فتح کر لیا۔ جب یہ صورتحال بنی تو اس وقت تک مغرب کا بشپ پوپ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ پوپ نہ صرف سابق رومن ریاست میں بلکہ جرمن علاقوں میں بھی پوپ یعنی چرچ کا سربراہ تھا جہاں مذہب مقامی کافر لوگوں میں پھیل رہا تھا۔ لیکن اسی دوران چرچ کئی مظالم میں ملوث تھا۔ ایک جرمن راہب، مارٹن لوتھر، جو چرچ کو اس کی اصل بنیادوں کی جانب لے جانا چاہتا تھا، نے مذہبی پیشواؤں کی جانب سے مکمل معافی دینے کے عمل کو غلط استعمال کرنے کی نشاندہی کی۔ 1517 میں لوتھر کے "پچانوے نظریات" یا "معافی دینے کے اختیار کے دلائل" اصلاحی تحریک کی بنیاد تھے۔ اس نے عوامی رائے کو کافی متاثر کیا اور زیادہ تر یورپ نے اس کی پیروی کی۔ پوپ کا دفاع کرنے والوں نے بھی یہ تسلیم کی کہ چرچ کے کئی طریقہ کار کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ 1520 میں لوتھر نے پوپ لیو دہم کی جانب سے اپنی تمام تحریروں سے دستبرداری کے مطالبے کو مسترد کر دیا اور پھر رومن شہنشاہ چارلس پنجم اور کئی دیگر افراد کو چرچ سے خارج کر دیا گیا۔

عیسائیت میں پروٹیسٹنٹ اور کیتھولک تفریق کی وجہ سے یورپ ایک زبردست بحران اور افراتفری کا شکار ہو گیا۔ خصوصاً رومن ریاست میں شدید تقسیم پیدا ہو گئی اور اس کے نتیجے میں جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ 1555 میں اوگس برگ کے امن معاہدے اور "جس کی حکومت اس کا مذہب" کے اصول کو تسلیم کیے جانے پر ختم ہوئی۔ یہ درحقیقت کوئی برداشت کا اصول نہیں تھا۔ جب ایک بار حکمران نے کسی ایک عیسائی مذہبی عقیدے کو اختیار کر لیا تو وہ اس

کے نفاذ کا اختیار رکھتا تھا اس بات سے قطع نظر کے اس کی رعایا کس عیسائی مذہبی عقیدے پر ایمان رکھتی ہے۔ اس دور میں یورپ کے لوگ مذہبی عقیدے کو بہت زیادہ سنجیدگی سے لیتے تھے لیکن مصلحت اور سمجھوتے کا اصول طے کر لیا گیا تھا اور وہ بھی عقیدے کے معاملے میں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فرانس کا کیتھولک بادشاہ پروٹسٹنٹ Huguenots پر مظالم ڈھانے کے لیے آزاد تھا اور پھر 1572 میں سینٹ بارتھولومیو کے دن (St Bartholomew's Day) اس نے قتل عام کیا۔ کئی مسائل حل طلب تھے۔ مثال کے طور پر ہالینڈ کے ایک علاقے میں پروٹسٹنٹ اکثریت میں ہو گئے لیکن اس پر اسپین کا بادشاہ اور رومن شہنشاہ حکومت کرتا تھا جو کہ دونوں ہی کیتھولک تھے۔ اس اصول کا مطلب یہ تھا کہ ہالینڈ کے اس علاقے کے اکثریتی پروٹسٹنٹ مظالم سے بچنے کے لیے چھپتے پھریں۔ اس صورتحال نے ہالینڈ میں بغاوت کی بنیاد رکھ دی۔ ویسٹ فیلیا کے امن معاہدے کا ایک اہم نقطہ ہالینڈ میں ہونے والی بغاوت اور اسپین اور ہالینڈ کے مابین 80 سال سے جاری جنگ کا خاتمہ تھا۔ اس معاہدے نے تیس سال سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے مابین جاری جنگ کا خاتمہ کیا جسے آگسبرگ کا معاہدہ ختم کرنے میں ناکام رہا تھا۔

ویسٹ فیلین تصور اس معاہدے پر دستخط کے ایک سال بعد ایک اہم امتحان کا شکار ہوا جب انگلستان نے اپنے بادشاہ چارلس اول کا سر قلم کر دیا۔ چارلس اول ایک عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا والد پروٹسٹنٹ اور دادی کیتھولک تھی۔ اس نے شادی ایک رومن کیتھولک خاتون سے کی تھی۔ اس کا ایک بیٹا چارلس دوئم رومن کیتھولک تھا جس نے اپنے عقیدے کا اظہار بستر مرگ پر کیا تھا اور اس کے ایک اور بیٹے جیمز دوئم نے اپنے اس عقیدے کا اظہار بانگ دہل کیا تھا۔ اور وہ ایک پروٹسٹنٹ خاتون کا دادا تھا جس نے برطانوی بادشاہت سے کیتھولک عنصر کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چنانچہ جب چارلس اول کا سر قلم کیا گیا تو ویسٹ فیلین معاہدے کی روشنی میں دوسری ریاستوں کے امور میں عدم مداخلت کے اصول پر عمل کیا گیا۔ پس اعلانیہ کوئی انتقام نہیں لیا گیا اگرچہ کیتھولک ممالک نے اس حکومت کے خلاف جارحانہ رویہ اپنائے رکھا جس نے اسے قتل کیا تھا۔ بعد کے سالوں میں اگر بادشاہ کو برطرف کر دیا جاتا تھا تو کوئی اس کا وکیل بن کر مداخلت نہیں کرتا تھا۔ ویسٹ فیلیا معاہدے نے مخصوص سرمایہ دارانہ مصلحت کی بنیاد رکھی، بین الاقوامی تنازعات مذہبی بنیادوں پر حل نہیں کیے جائیں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ مذہب کا متبادل تلاش کیا جائے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب استعماری ریاستیں ختم ہوئیں تو ایک بار پھر ویسٹ فیلیا کے تصور کو استعمال کیا گیا۔ نئی بننے والی مملکتوں کو بین الاقوامی نظام میں شامل ہونا تھا اور انہیں نوآبادیات سے خود مختار ریاستوں میں تبدیل ہونا تھا۔ لیکن زمینی حقائق کے باعث یہ ضروری نہیں تھا کہ یہ ریاستیں ان ممالک میں بسنے والی قوموں کی نمائندگی کر رہی ہوں بلکہ یہ ریاستیں اس لیے بنائیں گئیں تا کہ استعماری مفادات کو محفوظ کیا جا سکے۔

ویسٹ فیلیا نے نئی بنیاد فراہم کی۔ اب ممالک کو ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کی پیروی کرنی تھی۔ اس وقت اس کا مطلب حکمران اور اس کی رعایا کے درمیان مذہب کے حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعے میں عدم مداخلت تھا۔ اس معاہدے نے اختلافات کو حل کرنے کے لیے بین الاقوامی فورمز کو استعمال کرنے کا اصول بھی طے کیا۔ جہاں تک اس اصول کا تعلق ہے جس پر ریاستیں منظم کی جائیں گی تو ویسٹ فیلیا کے ماڈل نے قومی ریاست (نیشن سٹیٹ) کا تصور پیش کیا۔

ہالینڈ قومی ریاست کی ایک مثال تھی۔ انیسوی صدی نے یہ دیکھا کہ جرمن اور اطالوی قوم نے اس تصور کی بنیاد پر ریاستیں قائم کیں۔ انیسوی صدی نے یہ بھی دیکھا کہ کچھ یورپی نوآبادیات نے ریاست کا مقام حاصل کیا۔ شمالی امریکہ میں برطانوی نوآبادیات نے آزادی حاصل کی جس میں امریکہ نے 1783 میں جنگ کے ذریعے اور کینیڈا نے قدرے پر امن طریقے سے 1867 میں آزادی حاصل کی۔ نپولین کے ہاتھوں اسپین اور پرتگال کی فتح کی بعد ان ممالک کی وسطی اور جنوبی امریکہ میں موجود نوآبادیات نے ریاست کا درجہ حاصل کیا۔ ان نئی ریاستوں کو پرانی ریاستوں نے کام کرنے کا موقع فراہم کیا اور یہ انہوں نے ویسٹ فیلیا معاہدے کی بنیاد پر کیا۔ ان نئی مملکتوں کو آزاد اور خود مختار ریاستیں تسلیم کیا گیا جو "اقوام کی کمیٹی" (لیگ آف نیشنز) میں برابر کی رکن تھیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب استعماری ریاستیں ختم ہوئیں تو ایک بار پھر ویسٹ فیلیا کے تصور کو استعمال کیا گیا۔ نئی بننے والی مملکتوں کو بین الاقوامی نظام میں شامل ہونا تھا اور انہیں نوآبادیات سے خود مختار ریاستوں میں تبدیل ہونا تھا۔ لیکن زمینی حقائق کے باعث یہ ضروری

نہیں تھا کہ یہ ریاستیں ان ممالک میں بسنے والی قوموں کی نمائندگی کررہی ہوں بلکہ یہ ریاستیں اس لیے بنائیں گئیں تاکہ استعماری مفادات کو محفوظ کیا جاسکے۔

یہ بات واضح ہے کہ ویسٹ فیلیا کے نتیجے میں سامنے آنے والی بین الاقوامی برادری استحکام نہیں لا سکی کیونکہ اس کے خمیر میں ہی عدم استحکام موجود ہے۔ایک شخص جو ایک ریاست کی شہریت رکھتا ہے وہ کسی ایسی قوم سے ہوسکتا ہے جس کی لسانی شناخت کچھ اور ہو۔ایک مثال لیں جیسا کہ سوڈان۔یہ ریاست حال ہی میں دو ریاستوں میں تقسیم ہوئی ہے ایک کا نام سوڈان ہی ہے جبکہ دوسری کا نام جنوبی سوڈان ہے۔سوڈان میں عرب افریقی لوگ ہیں جبکہ جنوبی سوڈان میں خالصتاًافریقی لوگ ہیں۔حال ہی میں قبائلی بنیادوں پر ہونے والے ہنگاموں نے اس نئی ریاست کے مزید تقسیم ہونے کا خطرہ پیدا کردیا ہے۔جس لسانی اقلیت نے آزادی حاصل کی تھی اس میں اس قدر تقسیم موجود ہے کہ وہ مزید ٹکڑوں میں بٹ سکتی ہے۔پاکستان بھی بلوچستان، خیبر پختونخوا، سندھ اور جنوبی پنجاب میں لسانی کشمکش کا سامنا کررہا ہے۔

جہاں تک ویسٹ فیلیا کے تحت خود مختاری کا تعلق ہے تو بیرونی مداخلت سے آزادی سب کے لیے نہیں ہے۔ اس سلسلے کی سب سے اہم مثال دوسری جنگ عظیم کے بعد ویت نام کی جنگ کے دوران ویت نام کی جانب سے کمبوڈیا پر حملہ تھا۔پھر بھارت نے 1971 میں مشرقی پاکستان میں مداخلت کی۔اور اب "منحصر خود مختاری" contingent sovereignty کا تصور سامنے آرہا ہے جو عدم مداخلت کی روایت کو چیلنج کررہا ہے اور امریکہ اسے فوجی مداخلت کے لیے استعمال کرتا آرہا ہے۔افغانستان و عراق پر امریکی حملہ ویسٹ فیلیا کے خود مختاری کے تصور کی کھلی خلاف ورزی تھا۔

جہاں تک اقوام متحدہ کا تعلق ہے کہ یہ وہ فورم ہے جہاں مداخلت کی جگہ تنازعات کو حل کیا جاتا ہے تو اس ادارے کو امریکی مفادات کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔اب امریکہ ایران میں ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاملے اور حالیہ مظاہروں کے حوالے سے براہ راست مداخلت کررہا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ اس کی خود مختاری کی کوئی حرمت نہیں ہے حالانکہ ویسٹ فیلیا کا اصول ایران

**ویسٹ فیلیا کے ماڈل کو امریکہ اس وقت نظر انداز کردیتا ہے جب وہ اس کے مفادات کی راہ میں حائل ہوتا ہے اور اس وقت اس پر عمل کرتا ہے جب اس کا مفاد پورا ہو رہا ہو۔امریکہ نے خود کو یہ حق دے رکھا ہے کہ وہ جب چاہے یا جب ضرورت محسوس کرے دوسری ریاست کی خود مختاری کو**

پر انیسوی صدی میں لاگو کیا گیا تھا۔

جہاں تک انسانی بنیادوں پر مداخلت کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا اطلاق اس وقت نہیں ہوتا جب مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہوتا ہے۔اس وقت میانمار فوج روہنگیا مسلمانوں کے خاتمے یعنی نسل کشی کے منصوبے پر کام کررہی ہے۔ مسلمانوں کو یہ آپشن دی گئی کہ وہ ہجرت کرکے بنگلادیش کے مہاجر کیمپوں میں چلے جائیں یا پھر موت کو گلے لگالیں۔میانمار نے یہ جرائم کرکے ویسٹ فیلیا کے تحت ملنے والی خود مختاری کا غلط استعمال کیا لیکن بین الاقوامی برادری نے الٹا میانمار کی حکومت کو جمہوریت کی جانب پیش قدمی کرنے پر مبارک باد دی۔اس سے پہلے بھی میانمار میں نسل کشی کے واقعات میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا تھا لیکن ویسٹ فیلیا کے اصول یعنی عدم مداخلت پر سختی سے عمل کیا گیا تھا۔1990 کی دہائی میں بوسنیا میں سرب مسلمانوں کا قتل عام کررہے تھے لیکن وہاں کوئی مداخلت نہیں کی گئی۔ایک اور مثال کشمیر کی ہے جہاں آزادی کی تحریک کو وحشیانہ طریقے سے کچلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔عدم مداخلت کا جواز یہ کہہ کردیا جاتا ہے کہ یہ بھارت کا اندرونی معاملہ ہے۔بھارتی ریاست کشمیری مسلمانوں کا قتل عام کررہی ہے لیکن یہ بات مداخلت کا جواز فراہم نہیں کرتی کیونکہ بھارت امریکہ کی مضبوطی سے پیروی کررہا ہے۔لیکن اگر پاکستان کشمیر کے مسلمانوں کی حمایت کرے تو اس کو اس کی سخت سزا دی جاتی ہے۔

ایک طرف امریکہ کشمیر اور میانمار میں مداخلت سے گریز کرتا ہے تو دوسری جانب وہ ویسٹ فیلیا کے تحت افغانستان کو ملنے والی خود مختاری کی خلاف ورزی کرتا ہے۔اگر اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ افغانستان نے امریکہ پر حملے کے لیے اپنی سرزمین کے استعمال کی اجازت دی تھی تب بھی کیا افغانستان پر حملے کا جواز تھا؟ آخر کیوں اس تنازعے کو باقی تنازعوں کی مانند اقوام متحدہ میں لے کر نہیں گئے؟

ویسٹ فیلیا کے ماڈل کو امریکہ اس وقت نظر انداز کردیتا ہے جب وہ اس کے مفادات کی راہ میں حائل ہوتا ہے اور اس وقت اس پر عمل کرتا ہے جب اس کا مفاد پورا ہو رہا ہو۔امریکہ نے خود کو یہ حق دے رکھا ہے کہ وہ جب چاہے یا جب ضرورت محسوس کرے دوسری ریاست کی خود مختاری کو پامال کرلے۔

اس دوہرے پیمانے کی سب سے واضح مثال فلسطین ہے۔فلسطین کی سرزمین پر یہودی وجود نے قبضہ کررکھا ہے۔اس کی عرب اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کردیا

گیا۔ عربوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھاگ جائیں ورنہ یہودی دہشت گرد غنڈوں کے ہاتھوں مار دیے جائیں گے۔ اور

پھر مہاجرین کو کیمپوں سے واپس اپنے گھر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

فلسطین اس بات کی مثال ہے پہلی جنگ عظیم کے بعد عثمانی خلافت کو توڑنے کے دوران ویسٹ فیلیا کے تصور خود مختاری کی عام خلاف ورزی کی گئی۔ خلافت عثمانی کی تقسیم کے دوران لوگوں کی خواہشات کو نہیں بلکہ مغربی طاقتوں کی خواہشات کو مدِ نظر رکھا گیا تھا۔ خلافت کے عرب علاقوں کو خلافت سے کاٹا گیا اور ان پر برطانیہ اور فرانس قابض ہو گئے۔ عثمانی خلافت پر قبضے کے بعد عرب علاقے مختلف ممالک اور زیرِ تحفظ ممالک میں تبدیل کر دیے گئے۔ فلسطین کی زیرِ تحفظ مملکت برطانیہ کے حصے میں آئی اور پھر اسے بھی 1948 میں آزادی دی گئی۔ صیہونیوں نے فوری طور پر اس پر قبضہ کر لیا اور یہودی ریاست قائم کر دی۔ تین دہائیوں کی برطانوی حکمرانی نے صیہونیوں کو اس قابل کیا کہ وہ فلسطین میں جمع ہو سکیں۔ یہ ایک طرح سے حملہ تھا جس کی ویسٹ فیلین خود مختاری کے تصورات کے تحت اجازت نہیں تھی کیونکہ اس میں ایک علاقے کی آبادی کو ہجرت کے ذریعے تبدیل کیا گیا۔ لیکن استعماری ویسٹ فیلیا کے تحت یہودی وجود کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کے مفاد میں ہے۔ مغربی ریاستیں یہودی وجود کی حمایت کرتی ہیں جبکہ وہ عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کی زمینوں پر قبضہ اور حملے کرتی ہے جس کا تازہ ترین مشاہدہ امریکی سفارت خانے کی تل ابیب سے یروشلم منتقلی کے وقت ہوا۔ یہ بات واضح رہے کہ مغربی طاقتیں، جنہوں نے ویسٹ فیلیا کے ذریعے قائم کردہ امن سے خود مختاری کے تصور کو تعمیر کیا تھا، کبھی بھی اس کی حرمت کو پامال کرنے میں دیر نہیں کرتیں جب یہ ان کے مفاد کی راہ میں آجائے۔ کمزور ریاستوں کے لیے ویسٹ فیلیا کا یہ تصور تحفظ کا باعث نہیں ہے کہ

دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ یہ تصور کمزور ریاستوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے طاقتور ریاستوں کے لیے ایک آلہ ہے۔ یہ تصور کمزور ریاستوں کے شہریوں کو طاقتور ریاستوں کی بالادستی کو قبول کرنے کے لیے تیار کرتا ہے۔ یہ تصور کمزور ممالک کی حکومتوں کو طاقتور

> **خلافت کا دوبارہ قیام ویسٹ فیلین تصورات کے خاتمے کا باعث بنے گا جس نے مسلم علاقوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ مسلمان ایک ریاست تلے یکجا ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں پر ان علاقوں میں ظلم و ستم ہو رہا ہو جو خلافت کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں تو خلافت ان کی مدد سے انکار یہ کہہ کر نہیں کرے گی کہ ویسٹ فیلیا کے تصور خود مختاری اور عدم مداخلت کے تصورات ان کی مدد کرنے سے روکتے ہیں۔**

ریاستوں کو مزید رعاتیں دینے کا جواز فراہم کرتا ہے اور اگر ویسٹ فلین دنیا نہ ہو تو یہ صورتِ حال بھی نہ ہو۔ استعماری ریاستیں ویسٹ فیلین ماڈل کو ختم ہونے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گی۔ وہ اس میں موجود طاقتور اور پرانی ریاستوں کے متعلق موجود تعصب کی حمایت کرتی ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ویسٹ

فیلیا کے مخالف متبادل دینے کے لیے خلافت قائم کریں۔ خلافت میں مسلمانوں کے علاقوں کے درمیان کوئی سرحدیں نہیں ہوتیں۔ خلافت بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل تک پھیلی دنیا کے سب سے بڑی ریاست ہو گی۔ وہ کسی بھی علاقے میں بسنے والے لوگوں کے مذہبی جذبات کو نظر انداز نہیں کرے گی۔ خلافت مذہب کو دیگر تمام پیمانوں سے زیادہ اہمیت دے گی۔ خلافت قبیلے، نسل یا قومیت کی بنیاد پر تقسیم کی مذمت کرے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** "لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے" (الحجرات: 13)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ** "وہ جو عصبیت کی بنیاد پر لوگوں کو پکارتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے؛ اور وہ جس کا خاتمہ عصبیت کی پکار پر ہوا وہ ہم میں سے نہیں ہے" (ابو داؤد)۔ خلافت کا دوبارہ قیام ویسٹ فیلین تصورات کے خاتمے کا باعث بنے گا جس نے مسلم علاقوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ خلافت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ مسلمان ایک ریاست تلے یکجا ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں پر ان علاقوں میں ظلم و ستم ہو رہا ہو جو خلافت کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں تو خلافت ان کی مدد سے انکار یہ کہہ کر نہیں کرے گی کہ ویسٹ فیلیا کے تصور خود مختاری اور عدم مداخلت کے تصورات ان کی

بقیہ صفحہ 11 پر

# نظریۂ باجوہ کا خیالی مفروضہ

خالد صلاح الدین، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برطانیہ کے سیکورٹی تِھنک ٹینک رائل یونائیڈ سروسز انسٹیٹیوٹ(آر-یو-ایس-آئی) نے ایک تجزیہ میں کہا ہے کہ افواجِ پاکستان "نظریۂ باجوہ" کے تحت امریکی انتظامیہ کی طرف سے دی جانے والی دھمکیوں کے خلاف مزاحمت پر اُتر آئی ہیں۔

آر-یو-ایس-آئی کی اس رپورٹ[1] میں کہا گیا ہے کہ امریکہ آج بھی وہی دھمکیاں دے رہا ہے جو وہ جارج ڈبلیو بش کے زمانے سے دیتا آرہا ہے، مگر "اب وہ دن چلے گئے ہیں کہ جب پاکستان بزدلی اور خوف کی وجہ سے امریکہ کے مطالبات قبول کرکے اُسے خوش کرتا تھا"۔ تِھنک ٹینک کا خیال ہے کہ اس موقف کو "نظریہ باجوہ" کہا جارہا ہے اور جو تجویز کرتا ہے کہ اب افواجِ پاکستان کو دہشت گردی کی اس جنگ کے لئے 'مزید کرو(ڈُومور)' کے مطالبے کو قبول نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اب باقی دنیا کو 'مزید کرو' کے اس مطالبے کے مطابق خود اس جنگ کو لڑنا ہوگا۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "2018 کے آغاز سے، یہ امریکہ ہی ہے جسے پاکستان کی ضرورت ہے نہ کہ پاکستان کہ جس کو امریکہ کی ضرورت ہو۔ امریکی سیکرٹری دفاع جیمز میٹس پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ وہ افواجِ پاکستان کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہے، کیونکہ ان کی اجازت کے بغیر امریکی فورسز نہ تو اپنا سامان افغانستان منتقل کر سکتی ہیں اور نہ ہی وہ وہاں اپنی بقاء کو قائم رکھ سکتی ہیں کیونکہ افغانستان چاروں اطراف سے دوسرے ممالک سے گھرا ہوا ہے۔ اگر ٹرمپ کے ٹویٹس(tweets) سے پاکستان کو کچھ احساس ہوا ہے تو وہ یہ ہے کہ سات دہائیوں سے امریکہ پر جو بھروسہ کیا جارہا تھا وہ غلط ہے۔ پاکستان کی فوجی قیادت نے حملہ کرنے اور فوجی سازوسامان کی ترسیل کی جو بھرپور مدد امریکہ کو فراہم کی ہے اُس کا امریکہ کے پاس کوئی متبادل نہیں ہے"۔

چیف آف آرمی اسٹاف جنرل باجوہ نے میونخ سیکیورٹی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے جو کہا وہ آر-یو-ایس-آئی کی رپورٹ کے برخلاف فوجی قیادت کے شدید تضادات کو واضح کرتا ہے۔ انہوں نے کہا "یہ میرا پکا عقیدہ ہے کہ پاکستان کی دیرپا سلامتی افغانستان میں امن اور استحکام پر منحصر ہے، لہذا، اپنے محدود وسائل کے باوجود، ہم اپنے مغربی پڑوسی کو امن فراہم کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کررہے ہیں" یہ بالکل وہی ہے جو امریکہ ہم سے چاہتا ہے۔

اس رپورٹ کی پاکستانی میڈیا میں بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی لیکن جو نہیں کیا گیا وہ اس رپورٹ کی غیر جانبدارانہ جانچ پڑتال تھی جو کہ نہایت ضروری ہے۔ گرچہ یہ رپورٹ ایک برطانوی تِھنک ٹینک کی طرف سے شائع کی گئی ہے، لیکن اس رپورٹ میں پیش کردہ اکثر دلائل بار بار دہرائے گئے ہیں۔ رپورٹ کا مرکزی خیال ایک آزاد فوجی پالیسی کی ضرورت کا تصور پیش کرتا ہے، جو کہ پاکستان کی ضروریات کے مطابق ہو، نہ کہ امریکہ کی ضروریات کے مطابق۔ دراصل یہی وہ تصور ہے جو غلط ہے اور بنیادی طور پر اس ہی پر سوال اٹھنے چاہئیں۔ امریکی پالیسی اہداف کے لئے پاکستان کی زبردست غلامی کے ثبوت رپورٹ کی اشاعت کے دو دن بعد ہی سامنے آگئے۔ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل باجوہ نے میونخ سیکیورٹی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے جو کہا وہ آر-یو-ایس-آئی کی رپورٹ کے برخلاف فوجی قیادت کے شدید تضادات کو واضح کرتا ہے۔ انہوں نے کہا[2] "یہ میرا پکا عقیدہ ہے کہ پاکستان کی دیرپا سلامتی افغانستان میں امن اور استحکام پر منحصر ہے، لہذا، اپنے محدود وسائل کے باوجود، ہم اپنے مغربی پڑوسی کو امن فراہم کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کررہے ہیں" یہ بالکل وہی ہے جو امریکہ ہم سے چاہتا ہے۔

جنرل باجوہ نے مزید کہا، "ہم نے تنہا اس سرحد کے مناسب انتظام کو یقینی بنانے کیلئے کئی اقدامات کئے ہیں۔ ہم نے سرحدوں کے لئے دسیوں مخصوص نئے فوجی یونٹس کو تربیت دے کر تیار کیا ہے، سرحد کی نگرانی کے لئے سینکڑوں نئے قلعے تعمیر کئے ہیں اور 2300 کلو میٹر سرحد پر باڑ لگانے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ ہم سرحدی ٹرمینلز پر اسکینر مشینیں اور بائیو میٹرک آلات نصب کررہے ہیں تاکہ جہاں عام افغان عوام کو

سہولت فراہم کی جاسکے تو وہیں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ شرپسندوں اور دہشت گردوں کو روکا یا گرفتار بھی کیا جاسکے"۔یہ سب بھی اُن امریکی مطالبوں کے جواب میں کیا جارہاہے جس میں انہوں نے پاکستان سے افغانستان میں دراندازی روکنے کو کہا تھا۔

پاکستانی چیف آف آرمی اسٹاف نے امریکہ کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدوں سے متعلق کوئی ابہام نہیں چھوڑا۔انہوں نے کہا کہ "گرچہ ہم بھرپور طریقے سے علاقے میں نئی امریکی حکمت عملی کی حمایت کر رہے ہیں،جو بنیادی طور پر متحرک رہنے کے نقطۂ نظر پر مبنی ہے،لیکن ہم تنازعے میں موجود جماعتوں کومذاکرات کی میز پر لانے کی اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے"۔یہ سب امریکہ کے مطالبے کے عین مطابق کیا جارہاہے کہ جس میں امریکہ نے پاکستان کوافغانستان میں مذاکرات کے ذریعے تصفیہ طلب حل نکالنے کاہدف دیاہے۔

پاکستان کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ کہ جس کی وجہ سے اُس کے معاملات پر مغربی اثرورسوخ حاوی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کی فوجی اور سیاسی اشرافیہ کی تربیت مغربی نظریات اور اقدار میں ہوئی ہے جس کی وجہ سے ترقی کے لئے اِن لوگوں کانقطہ نظرہے کہ یہ مغربی مدد اور رہنمائی پر بھروسا کئے بغیر ممکن نہیں۔لہذا پاکستان کی حکمران اشرافیہ خطے کے مستقبل کومغربی پالیسی سے آزاد کرکے چلانے کی بصارت ہی نہیں رکھتی بلکہ علاقائی اور عالمی سطح پر مغربی مفادات کو چیلنج کرنے کو مہلک اور نقصان دہ سمجھتی ہے۔یہ سوچ اُس انتہائی ذلت اور واضح نقصان کے باوجود ہے کہ پاکستان جس کا شکار اِس مغربی پالیسی کی وجہ سے ہوا ہے۔پاکستان کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ "دوراندیش" اِس بات کی وکالت کرتے ملیں گے کہ ہمیں اب مغرب پر انحصار کم کرکے اسے روس اور چین پر انحصار سے تبدیل کردینا چاہیے۔

یہ نام نہاد "متبادل" نقطۂ نظر ہماری سیاسی اور فوجی

پاکستان کبھی بھی مغربی اثرورسوخ یا غیر ملکی قوتوں پرانحصار کے ذریعے آزاد نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی حکمران اشرافیہ یاتو ایک حقیقی متبادل کونہ اپنالیں جو ہماری قومی،علاقائی اور عالمی سیاست کو منظم کرے،یاپھراس حکمران اشرافیہ کوہٹادیاجائے اوراِس کی جگہ ایک نئے حکمران گروہ کو اقتدار سونپ دیاجائے جو مسلمانوں اور دنیا کے معاملات کو چلانے کے لئے ایک نیانقطۂ نظر پیش کرے۔

اشرافیہ کی پست ذہنیت اور نااہلیت کو واضح کرتا ہے۔پاکستان کبھی بھی مغربی اثرورسوخ یا غیر ملکی قوتوں پرانحصار کے ذریعے آزاد نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی حکمران اشرافیہ یاتو ایک حقیقی متبادل کونہ اپنالیں جو ہماری قومی،علاقائی اور عالمی سیاست کو منظم کرے،یا پھر اس حکمران اشرافیہ کو ہٹا دیا جائے اور اِس کی جگہ ایک نئے حکمران گروہ کو اقتدار سونپ دیا جائے جو مسلمانوں اور دنیا کے معاملات کو چلانے کے لئے ایک نیانقطۂ نظر پیش کرے۔مسلم دنیا کے پاس اپنے اور دنیا کے امور منظم کرنے کی اعلیٰ تاریخ اور وسیع تجربہ موجود ہے۔بے شک مسلمان ماضی میں اسلام کے نقطہ نظر اور اپنی ریاست 'خلافت' کے سائے تلے دنیا کے حکمران تھے۔لہذا صرف اپنی تاریخ سے جوش اور حوصلہ لیتے ہوئے نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے ذریعے اسلامی ریاست کے تحت ہی ہم دوبارہ سے وہ آزادی اور قوت حاصل کرسکتے ہیں جو پاکستان سے مغربی اثر و رسوخ کا خاتمہ کرے گا اور خطے اور دنیا کے معاملات کو مسلمانوں کے مفادات کے تحت ڈھال دے گا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں ایسے کام کے لئے بلائیں جس میں تمہارے لیے زندگی ہے،اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوجاتاہے اور یہ کہ تم سب (بالآخر) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے" (سورۃ الانفال:24)

**ختم شد**

1. https://rusi.org/sites/default/files/20180216_rusi_newsbrief_vol.38_no.1_alam_web.pdf
2. https://dunyanews.tv/en/Pakistan/428271-Full-text-of-COAS-address-at-MSC-Germany

# آئیں ہم اس رمضان اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی کی جدوجہد کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے پاکستان کے مسلمانو!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ "رمضان کا مہینہ، جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہے "(البقرۃ:185)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ " (اے پیغمبر ﷺ) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرو "(النساء:105)۔ جب حکمرانی اللہ کے نازل کردہ کے مطابق تھی تو ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک رمضان کا مہینہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کا عظیم ذریعہ تھا۔ لہٰذا اُس وقت مسلمان خود کو صرف روزوں، تراویح اور دعوتِ افطار تک ہی محدود نہ رکھتے تھے بلکہ اسلام کے مکمل نفاذ بشمول معاشی پالیسی، خارجہ پالیسی، تعلیم اور حکمرانی کے فرض کو پورا کرتے تھے۔

یہ وہ دورِ حکومت تھا جب ہمارے حکمران ہم پر اللہ کے نازل کردہ یعنی قرآن و سنت کے مطابق حکمرانی کرتے تھے۔ ہماری دولت چند امیروں میں ہی محدود رہنے کی بجائے گردش میں رہتی تھی اور غریب بھی اپنی ضروریات کو عزت کے ساتھ پورا کر پاتے تھے۔ مظلوموں کی پکار کو نہ صرف سنا جاتا تھا بلکہ ایسا موثر جواب دیا جاتا تھا کہ دشمنوں کی فوج میدانِ جہاد میں ریاستِ خلافت کی فوج کا سامنا کرنے سے خوف کھاتی تھی۔ یقیناً، دینِ اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کی بدولت صدیوں تک رمضان کامیابیوں اور فتوحات کا مہینہ ہوا کرتا تھا۔ رمضان کا مہینہ گواہ ہے، بدر میں قریش کے خلاف فتح کا، فتح مکہ کا، البویب کی جنگ میں سلطنتِ فارس کی شکست کا، اموریہ کی فتح کا اور عین جالوت کی جنگ میں تاتاریوں کے خلاف فیصلہ کن کامیابی کا۔

> جب حکمرانی اللہ کے نازل کردہ کے مطابق تھی تو ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک رمضان کا مہینہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کا عظیم ذریعہ تھا۔ لہٰذا اُس وقت مسلمان خود کو صرف روزوں، تراویح اور دعوتِ افطار تک ہی محدود نہ رکھتے تھے بلکہ اسلام کے مکمل نفاذ بشمول معاشی پالیسی، خارجہ پالیسی، تعلیم اور حکمرانی کے فرض کو پورا کرتے تھے۔

لیکن آج اے مسلمانو، رمضان ہمیں کس حال میں پاتا ہے جب ہم اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی سے ہی محروم ہیں؟ یقیناً ہم مشکلات، مصائب، شکست اور ذلت کا شکار ہیں۔ زبردست افواج موجود ہونے کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ کامیابی صرف ہمارے دشمنوں کا ہی مقدر ہے جو اپنے کفر کے جھنڈے ہمارے بچوں، بوڑھوں اور خواتین کی خون سے لت پت لاشوں پر گاڑھتے جا رہے ہیں۔ اور وسیع علاقے اور بے پناہ قدرتی وسائل ہونے کے باوجود ہم غربت کی دلدل میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مشقت، تنگی اور بدحالی نے ہماری کمر توڑ رکھی ہے۔

---اور اب بھی، موجودہ جمہوری سیاسی قیادتیں اللہ کے نازل کردہ احکامات سے حکمرانی کی بجائے ہمیں اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ نئے انتخابات کے ذریعے اس موجودہ کفریہ نظام کی زندگی کو طوالت دی جائے جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا " اور جو میری نصیحت (قرآن) سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی "(طہٰ:124)۔

موجودہ سیاسی قیادتیں جمہوریت کے ذریعے تبدیلی کی دعوت دیتی ہیں جہاں پارلیمنٹ میں بیٹھے مرد و خواتین کی مرضی و منشا کے مطابق قوانین بنائے جاتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ " اور وہ سب جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم (محمد ﷺ) پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکانہ دیں "(المائدۃ:49)۔ اور موجودہ سیاسی قیادتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ وہ جمہوریت کے ذریعے کرپشن اور ظلم کا خاتمہ کردیں گی جبکہ وہ شخص جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی نہیں کرتا در حقیقت وہی کرپٹ اور ظالم ہے، اور وہ خود کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غضب کا حق دار بناتا ہے، اس بات سے قطع نظر کہ وہ ہمیں کس قدر دنیاوی فائدہ پہنچا سکتا

ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ** " اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"(المائدہ:45)۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!**

قیادت اسے نہیں دی جاسکتی جو صرف اُس کی طلب کرتا ہے بلکہ اسے دی جاتی ہے جو اس کا حقدار ہو۔ موجودہ سیاسی قیادت، چاہے اس کا تعلق پاکستان مسلم لیگ-ن، پاکستان پیپلز پارٹی یا پاکستان تحریک انصاف سے ہو، کبھی ہماری صورتحال کو تبدیل نہیں کرسکتی کیونکہ ان کا خمیر ایک ہی ہے۔ جب کبھی انتخابات کا وقت قریب آتا ہے تو ان میں سے کوئی ایک جماعت اپنی باری لیتے ہوئے کوئی ایسا نیا طریقہ کار ڈھونڈ تی ہے جس سے جمہوریت سے ہماری امیدوں میں اضافہ ہو جائے۔ لیکن انتخابات کے بعد ہماری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور ہم پہلے سے بھی بُری صورتحال اور ناامیدی کے اندھیروں میں جا گرتے ہیں۔ جمہوری عمل میں شرکت کو مسترد کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں پوری استقامت کے ساتھ حقیقی تبدیلی کی راہ پر گامزن ہونا چاہیے اور اللہ کے نازل کردہ کی بنیاد پر حکمرانی یعنی خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

اسلام کو ایک ریاست اور آئین کی صورت میں قائم کرنے کے لیے ہمیں ایک نئی سیاسی قیادت کی ضرورت ہے۔ یہ سیاسی قیادت آسمان سے نہیں اترے گی بلکہ اِسے ہم میں سے ہی ابھرنا ہوگا تاکہ اِسے ہماری حمایت حاصل ہو اور ہم اس سے مضبوطی سے منسلک ہوں۔ حزب التحریر نے 191 دفعات پر مشتمل ریاستِ خلافت کا آئین تیار کر رکھا ہے جو کہ قرآن و سنت کے تفصیلی دلائل سے اخذ شدہ ہے۔ حزب التحریر نے ایسی کتابوں کا وسیع ذخیرہ ترتیب دیا ہے جن میں انسانی مسائل کے اسلامی سیاسی حل اور ان کے نفاذ کے طریقہ کار کو بیان کیا گیا ہے۔ حزب التحریر نے ایسے، باشعور، قابل اور مخلص مرد و خواتین سیاست دانوں کی ایک فوج تیار کر رکھی ہے جو اسلام کے نفاذ کے حوالے سے خلافت کے حکمرانوں کا احتساب کرسکیں گے۔ اور اس کے پاس سیاسی قابلیت کے حامل بے شمار فقہا موجود ہیں جیسا کہ اس کے امیر شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ، جن کے پاس وہ صلاحیت، ذہانت اور تجربہ موجود ہے کہ وہ ہماری رہنمائی اور قیادت کرسکیں۔

لہٰذا آئیں اور اس رمضان میں اللہ کے نازل

**آئیں اور ان خلافت کے داعیوں کی جانب سے لیفلٹ کی تقسیم اور عوامی مقامات پر خطاب منعقد کرنے میں ان کی مدد کریں۔ آئیں کہ ہم خلافت کے داعیوں کے خطاب سننے کے لیے لوگوں کو جمع کریں اور جس حد تک ممکن ہوان کے پیغام کو لیفلٹ، کتابوں اور وڈیوز کی صورت میں ان سب لوگوں تک پہنچائیں جنہیں ہم جانتے ہیں۔**

کردہ کی بنیاد پر حکمرانی کے قیام کے لئے حزب التحریر کی بھر پور حمایت کریں۔ اگر ہم نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد میں اگلی صفوں کا حصہ نہ بھی ہوں تو کم از کم اس کی دوسری یا تیسری صفوں میں یقیناً موجود ہوں۔ آئیں اور ان درسوں اور اجتماعات کا حصہ بنیں جہاں خلافت کے داعی اللہ کے نازل کردہ سے حکمرانی کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ آئیں اور ان خلافت کے داعیوں کی جانب سے لیفلٹ کی تقسیم اور عوامی مقامات پر خطاب منعقد کرنے میں ان کی مدد کریں۔ آئیں کہ ہم خلافت کے داعیوں کے خطاب سننے کے لیے لوگوں کو جمع کریں اور جس حد تک ممکن ہوان کے پیغام کو لیفلٹ، کتابوں اور وڈیوز کی صورت میں ان سب لوگوں تک پہنچائیں جنہیں ہم جانتے ہیں۔ آگے بڑھیں اور خود لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں کہ اسلام جمہوریت کو حرام قرار دیتا ہے اور اللہ کے نازل کردہ پر مبنی حکمرانی قائم کرنے کو فرض قرار دیتا ہے۔ آئیں کہ ہم جمہوریت کے خاتمے اور ایک بار پھر نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی دعائیں مانگیں اور دوسروں کو بھی یہ دعا مانگنے کی ترغیب دیں۔ اور آئیں کہ ہم افواج میں موجود اپنے رشتہ داروں سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو مدد و نصرۃ فراہم کریں۔

آئیں کہ اس رمضان ہم نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد کا پوری استقامت کے ساتھ حصہ بن جائیں اور اس کے لیے دن رات ایک کردیں تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بشارت کا مشاہدہ کرسکیں۔ احمد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ** "پھر ظلم کی حکمرانی ہو گی اور وہ اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے ختم کردے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی" اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے۔

حزب التحریر

ولایہ پاکستان

25 شعبان 1439ہجری

11مئی 2018

ختم شد

# ہندو ریاست کے سامنے تحمل کی پالیسی ذلت اور شکست پر مبنی پالیسی ہے جو ہمارے دشمن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے

**پریس نوٹ**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

4 جون 2018 کو ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر میجر جنرل آصف غفور نے اس بات کی تصدیق کی کہ ہندو ریاست کی جارحیت کے خلاف پاکستان کی ریاستی پالیسی تحمل پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا: "بھارت کی جانب سے پہلی گولی آنے سے اگر کوئی نقصان نہیں ہوتا تو جواب نہیں دیں گے"۔ انہوں نے پاکستان کے موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا "ہم دو ایٹمی طاقتیں ہیں اور جنگ کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ یہ باتیں اس وقت کی جارہی ہیں جبکہ جنرل موصوف خود اس بات کا گلا کر رہے ہیں کہ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باونڈری پر ہندو ریاست کی مسلسل جارحیت کی وجہ سے پاکستان کے کئی شہری شہید ہوئے ہیں۔ یہ بذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندو ریاست کی جارحیت کے خلاف تحمل کی پالیسی ایک ناکام پالیسی ہے جس کی وجہ سے ہندو ریاست کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف جارحانہ رویہ اپنائے رکھے۔ ہندو ریاست کے خلاف جنگ کے امکان کو سرے سے ہی رد کر دینا در حقیقت کشمیر کے مسئلہ اور وادی میں ہندو مظالم کے شکار مسلمانوں سے دستبرداری کا اعلان ہے کیونکہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی حالت زار افواجِ پاکستان کے منظم جہاد کے بغیر کسی صورت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!** رمضان کے مقدس مہینے میں، وہ مہینہ جو مسلمانوں کے لیے تاریخی طور پر کامیابیوں اور عزت کا مہینہ ہے، ہماری قیادت نے واضح طور پر ہندو ریاست کی جارحیت کے خلاف ہتھیار پھینک دینے کا اعلان کر دیا ہے جو برصغیر کے مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ ہندو ریاست اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں سے جو سلوک کیا جاتا ہے وہ اس بات کی یاددہانی ہے کہ کیوں ہمارے آباؤ اجداد نے ہندو مشرکین کے اقتدار تلے رہنے سے انکار کیا تھا کیونکہ ہندوؤں کے دلوں میں برصغیر کے مسلمانوں کے خلاف بغض، کینہ اور نفرت بھری ہوئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا، **لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ ٱلنَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُواْ** (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تم **ٱلْيَهُودَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُواْ** "دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں" (المائدہ: 82)۔

ایک ایسے وقت میں جب پاکستان پانی کے شدید بحران کا شکار ہے اور جب ہندو ریاست کے ہمارے خلاف عزائم ہمارے ہی دریاؤں پر ڈیم بنا کر واضح ہو چکے ہیں، پاکستان کے حکمران امریکی ہدایت پر ہندو ریاست کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے لیے کام کر رہے ہیں تا کہ علاقائی طاقت بننے میں اس کی مدد کی جائے اور وہ برصغیر کے امور کی نگرانی کر سکے۔ ان حکمرانوں میں کوئی شرم کوئی حیاء نہیں ہے۔ یہ ہمارے دشمن کو اپنے ہاتھوں سے مضبوط کر رہے ہیں اور پھر ہمارے سامنے بہانے پیش کر رہے ہیں کہ "دو ایٹمی ممالک کے درمیان جنگ ممکن نہیں"، کشمیر کا کوئی فوجی حل نہیں" اور "تعلقات کی بحالی معاشی فوائد کا باعث بنے گا" تا کہ اپنی غداری اور خطے میں امریکی مفادات سے وفاداری پر پردہ ڈال سکیں۔

**اے افواجِ پاکستان کے افسران!** آپ کیسے یہ قبول کر سکتے ہیں کہ آپ کے دشمن کے سامنے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آپ کو ذلیل ہونے کے لیے کھڑا کر دیا جائے جبکہ آپ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آپ اسے چھٹی کا دودھ یاد کرا دیں؟ آپ کیسے اپنی قیادت کے ان بہانوں کو قبول کر سکتے ہیں جن کا مقصد آپ کو گمراہ کر کے دشمن کی جارحیت کے خلاف حقیقی منہ توڑ جواب دینے سے آپ کو روکنا ہے؟ آپ کے پاس یہ صلاحیت ہے کہ آپ ہندو ریاست کے منصوبوں اور خطے میں بالادستی کی اس کی خواہش کو ملیا میٹ کر دیں۔ یہ جان لیں کہ ہندو ریاست کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کا منصوبہ ایک امریکی منصوبہ ہے تا کہ آپ پر ہندو ریاست کی بالادستی کو قائم کیا جائے اور یہ منصوبہ صرف آپ کے حکمرانوں کی معاونت سے ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔ آپ ان حکمرانوں کو ہٹانے کے لیے فوراً حرکت میں آئیں اور نبوت کے طریقے پر پاکستان میں خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرہ فراہم کریں۔ پھر آپ اس علاقے میں اسلام کی بالادستی کو بحال کر دیں گے جیسا کہ ماضی میں تھا اور آپ اس علاقے کے جائز حکمران بن کر ابھریں گے، کشمیر کو آزاد کرائیں گے اور برصغیر پر ہندو مشرکین کے غیر منصفانہ حکمرانی کا خاتمہ کر دیں گے۔

**وَأَعِدُّواْ لَهُمْ مَّا ٱسْتَطَعْتُمْ مِّن قُوَّةٍ**
**وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ ٱللَّهِ**
**وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ**
**ٱللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَيْءٍ فِى**
**سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ**

" اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھی رہے گی اور ان کے سوا اور لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے۔ اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا" (الانفال: 60)

**ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس**

# جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور نبوت کے طریقے پر خلافت کا قیام وقت کی ضرورت ہے

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور آنے والے انتخابات کے حوالے سے لوگوں کی عدم دلچسپی بہت واضح ہے۔ جو لوگ الیکشن میں ووٹ ڈالیں گے بھی تو وہ "بُروں میں سے کم بُرے" یا "کرپٹ میں سے کم کرپٹ" کا انتخاب ہی کر سکیں گے ، اور یہ کیا ہی افسوس ناک انتخاب ہے۔ ایک طرف تو منتخب ہونے کے لئے وہ لوگ ہیں جو دہائیوں سے کرپشن کر رہے ہیں اور اب کرپشن میں ماہر ہو چکے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف وہ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ کرپشن کا خاتمہ چاہتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی صفوں کو کرپٹ عناصر سے بھر لیا ہے اور اس کا جواز یہ دیتے ہیں کہ صرف یہی کرپٹ الیکٹیبل انتخابات جیتنے کی صلاحیت رکھتے ہیں!

جمہوریت سے ہماری بے زاری، عدم دلچسپی اور ناامیدی بر حق ہے۔ جمہوریت ہمارے لیے اور ہمارے معاملات کو سنوارنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حکمران اِس کے ذریعے صرف اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں ۔جمہوریت قانون سازی کا اختیار ان لوگوں کے ہاتھوں میں دیتی ہے جو منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں، پھر وہی یہ طے کرتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، اور کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، لہٰذا وہ نئے قوانین بنا کر اور قوانین میں ردوبدل کر کے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کو یقینی بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت طرزِ حکومت میں ایک بھی ایسا سیاسی اور فوجی حکمران نہیں گزرا کہ جس کا دامن صاف ہو چاہے وہ مشرف اور شوکت عزیز ہوں، زرداری اور کیانی ہوں، یا نواز اور راحیل ہوں۔ اور جمہوریت کی یہی وہ خاصیت ہے کہ جس کی وجہ سے طاقتور کرپٹ عناصر جمہوریت کے گرد ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے مکھیاں گندگی پر جمع ہوتی ہیں۔

انتخابات میں کوئی بھی کامیاب ہو کر آ جائے ہماری صورتحال بہتر نہیں بلکہ مزید خراب ہی ہو گی جیسا کہ اب تک ہر جمہوری حکومت کی مدت ختم ہونے کے بعد ہوتا آیا ہے۔ ان کرپٹ حکمرانوں کا انحصار عوامی حمایت پر نہیں ہوتا بلکہ استعماری طاقتوں کی بیرونی حمایت پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ہماری معیشت آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے ذریعے مزید تباہ و برباد ہو گی، ہم قرضوں کی دلدل میں مزید دھنس جائیں گے اور ہمیں ہماری صلاحیت کے مطابق معاشی قوت بننے نہیں دیا جائے گا۔ ہماری خارجہ پالیسی کو امریکی دفتر خارجہ کے ہاتھوں نقصان پہنچتا رہے گا اور آئندہ بھی اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ ہم بھارت کی جارحیت کے سامنے " تحمل " کا مظاہرہ کرتے رہیں اور ذلت و رسوائی برداشت کرتے رہیں۔ ہماری فوج اور انٹیلی جنس کے معاملات امریکی پینٹاگون اور سی آئی اے کے ہاتھوں یرغمال رہیں گے، اور امریکہ ہماری صلاحیت اور اثر و رسوخ کو افغانستان میں اپنی موجودگی کو برقرار رکھنے کے لیے استعمال کرتا رہے گا۔ اور ہماری میڈیا پالیسی اور تعلیمی پالیسی میں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کی مداخلت برقرار رہے گی اور ہماری آنے والی نسلوں کے اذہان گمراہ کن مغربی افکار و اقدار سے زہر آلود ہوتے رہیں گے۔

جمہوریت قانون سازی کا اختیار ان لوگوں کے ہاتھوں میں دیتی ہے جو منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں، پھر وہی یہ طے کرتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، اور کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، لہٰذا وہ نئے قوانین بنا کر اور قوانین میں ردوبدل کر کے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کو یقینی بناتے ہیں۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!** رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبردار کیا: **لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ** "ایمان والا ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا"۔ بے شک جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور قرآن و سنت کی بنیاد پر حکمرانی وقت کی ضرورت ہے۔ یقیناً نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے علاوہ کوئی بھی چیز وہ تبدیلی نہیں لا سکتی جس کی ہمیں ضرورت ہے۔

**یہ نبوت کے طریقے پر خلافت ہی ہو گی جو ہمارے تحفظ کو یقینی بنائے گی:**

- خلافت مسلم علاقوں کے درمیان سرحدوں اور تقسیم کو ختم کرنے کے لیے کام کرے گی، تمام مسلمان ممالک کو یکجا کر کے دنیا کی سب سے باوسائل ریاست بنائے گی جس کا ایک ہی بیت المال ، ایک کرنسی، ایک سرکاری زبان، ایک فوج اور ایک خلیفہ ہو گا۔
- خلافت حملہ آور دشمن ریاستوں کے ساتھ جنگی تعلق کا معاملہ کرے گی، اور ان کے شر اور فساد پھیلانے والے سفارت کاروں، انٹیلی جنس اہلکاروں اور پرائیویٹ فوجیوں کو بے دخل کرے گی۔

- خلافت مغربی استعماری ممالک کے آلہ کار اداروں، اقوام متحدہ، عالمی بینک اور آئی ایم ایف سے علیحدگی اختیار کرے گی اور دنیا کی تمام مظلوم اقوام کو ایسا کرنے کی دعوت اور حوصلہ دے گی۔
- خلافت کی افواج فلسطین، مقبوضہ کشمیر، میانمار (برما) کے مظلوموں کی پکار کا حتمی جواب دینے کے لیے حرکت میں آئیں گی اور مغرب کے دوغلے پیمانوں کی پرواہ نہیں کریں گی۔ اور خلافت دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے پرسکون پناہ گاہ ہوگی جیسا کہ ماضی میں خلافت صدیوں تک ایسا کرتی رہی۔

**یہ نبوت کے طریقے پر خلافت ہی ہو گی جو ہماری خوشحالی کو یقینی بنائے گی:**

- خلافت توانائی اور معدنیات کے بے پناہ وسائل کو نجی ملکیت میں دینے سے روک دے گی جن کی مالیت کئی ہزار اربوں ڈالر ہے کیونکہ اسلام اس وسیع معدنی دولت کو عوام کی ملکیت قرار دیتا ہے جن سے حاصل ہونے والا تمام تر فائدہ اور نفع ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہے۔
- خلافت سرمایہ دارانہ اسٹاک شیئر کمپنیوں کو ختم کرکے اُن شعبوں سے نجی کمپنیوں کے کردار کو محدود کرے گی جہاں بھاری سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے جیسا کہ بھاری صنعتیں، ٹرانسپورٹ اور ٹیلی کمیونیکیشن وغیرہ۔ خلافت یہ قدم اس لیے اٹھائے گی کیونکہ کمپنیوں کے ڈھانچے کے متعلق اسلام کے اپنے منفرد قوانین ہیں جو ان شعبوں میں نجی شعبے کی کردار کو محدود کرتے ہیں جہاں بھاری سرمایہ کاری درکار ہوتی ہے یوں ان شعبوں میں ریاست کی کمپنیاں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں اور ہمارے امور کی دیکھ بھال بہتر طریقے سے ہوتی ہے۔ خلافت غیر شرعی ٹیکسوں کا خاتمہ کرکے غریبوں اور ضرورت مندوں کو ٹیکسوں کے بوجھ سے چھٹکارا دِلائے گی۔ جبکہ اسلام کے منفرد محصولات سے حاصل ہونے والے اموال ریاست کے بیت المال کو بھرنے کے لیے کافی ہوں گے۔ خلافت غیر ملکی سودی قرضے لینے کے عمل کا خاتمہ کرے گی جو اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ ہم قرضوں کے جال میں پھنستے چلے جائیں اور ان سے منسلک تباہ کن شرائط کو نافذ کریں، یوں کشکول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توڑ دیا جائے گا۔

> **جمہوریت ناکام ہو چکی ہے، وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہم سب حزب التحریر کے ساتھ مل کر نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے زبردست جدوجہد کریں۔ حزب التحریر اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کے لیے مکمل طور پر تیار ہے کیونکہ اس کے پاس خلافت کے ڈھانچے اور اس کی تفصیلات پر مشتمل درجنوں کتابیں موجود ہیں، اور اس کے پاس مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں انڈونیشیا تک مخلص اور باشعور مرد و خواتین کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو ہماری قیادت سنبھالنے کی اہل ہے۔**

**اور نبوت کے طریقے پر قائم خلافت ہمارے دین کی حفاظت اور مضبوطی کا باعث بنے گی:** خلافت کی میڈیا پالیسی اور تعلیمی پالیسی قرآن و سنت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگی، اس کی تمام نشریات اور ہر نصابی کتاب میں اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

- خلافت کی عدلیہ جنس، مذہب یا دنیاوی رتبے کی بنیاد پر لوگوں میں تفریق نہیں کرے گی، سب پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قانون نافذ کرے گی، اور مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلوائے گی۔
- ہر نافذ ہونے والا قانون لازمی قرآن و سنت سے اخذ شدہ ہوگا ورنہ عدلیہ بغیر کسی تاخیر اور اپیل در اپیل کے، اسے ظلم قرار دے کر اِس کے ذمہ دار حکمران کو برطرف کردے گی۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!** جمہوریت ناکام ہو چکی ہے، وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہم سب حزب التحریر کے ساتھ مل کر نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے زبردست جدوجہد کریں۔ حزب التحریر اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کے لیے مکمل طور پر تیار ہے کیونکہ اس کے پاس خلافت کے ڈھانچے اور اس کی تفصیلات پر مشتمل درجنوں کتابیں موجود ہیں، اور اس کے پاس مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں انڈونیشیا تک مخلص اور باشعور مرد و خواتین کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جو ہماری قیادت سنبھالنے کی اہل ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے شانہ بشانہ چلیں کیونکہ اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کرنے کو ہماری مرضی پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ "اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلے کو ماننے یا نہ ماننے کا کوئی اختیار نہیں" (الاحزاب:36)۔

**اے افواج پاکستان میں موجود مسلمانو!** جمہوریت ناکام ہو چکی ہے اور آپ اس بات کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں کہ چند گھنٹوں میں نبوت کے طریقے پر

خلافت قائم کردیں۔ جمہوریت کی سڑتی لاش کو دفن کردیں، کرپٹ حکمرانوں کے ہاتھ روک دیں اور نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرہ فراہم کریں تا کہ بالآخر ہم پر ہمارے دین کے ذریعے حکمرانی ہو، اس کے ذریعے ہمیں تحفظ حاصل ہو اور اس کی رہنمائی میں ہم میدان جنگ میں اپنے دشمنوں کا سامنا کریں۔ تو کون ہے آپ میں سے جو اللہ کی بشارت پر لبیک کہے اور اللہ کے دین کے لیے مدد و نصرت فراہم کرے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ" اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ طاقتور اور غالب ہے" (الحج: 40)

حزب التحریر

ولایہ پاکستان

29 رمضان 1439 ہجری

14 جون 2018

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 27 سے

تو اگر کوئی مقروض مرا تو اس کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے، اور اگر کوئی وراثت چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے وارثوں کی ہے۔"

اس حدیث سے یہ واضح ہے کہ ابو قتادہ نے قرض کے مالک کے مالی حق کی ادائیگی کے فرض میں مرنے والے کی ذمہ داری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو جوڑ دیا۔ یہ واضح ہے کہ ضمانت میں ایک ضامن (ضمانت دینے والا) ہوتا ہے، ایک وہ چیز جس کی ضمانت دی جائے ،ایک وہ جس کو ضمانت دی جائے اور یہ ضمانت جس سے دونوں متفق ہوں، ذمہ داری کے حق right of liability کے ساتھ بغیر کسی معاوضے کے جوڑی جا رہی ہے۔ حدیث میں ضمانت کے درست ہونے کی شرائط اور باہمی معاہدے کی شرائط موجود ہیں۔ لہٰذا آپ کے معاملے میں اس شخص کے لیے یہ تو جائز ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی کے لیے آپ کا ضامن بنے اور اس پر آپ سے اتفاق کرے لیکن اس پر معاوضہ لینا جائز نہیں، لہٰذا وہ اس پر معاوضہ نہیں لے سکتا۔

میں دُہراتا ہوں، اگر میں آپ کا سوال صحیح سمجھ پایا ہوں، تو میرے علم کے مطابق اس معاملے میں یہی جواب ہے واللہ اعلم واحکم۔ لیکن اگر آپ کے سوال کی یہ سمجھ درست نہیں تو اس کی مزید تفصیل بیان کریں تا کہ اللہ کے اِذن سے میں درست حقیقت پر جواب دے سکوں۔

**آپ کا بھائی**

**عطاء بن خلیل ابوالرشتہ**

2 جمادی الاول 1439 ہجری

19 جنوری 2018

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 30 سے

سمجھا کہ فلاں مجتہد کی دلیل اس مجتہد سے زیادہ قوی ہے کہ جس کی وہ تقلید کر رہا ہے۔ لیکن اگر اس نے ایک مسئلہ میں کسی رائے کو ابھی تک اختیار ہی نہیں کیا اور پہلی دفعہ کسی رائے کو اپنانا ہے تو وہ اس مسئلے میں کسی بھی مجتہد کی تقلید کر سکتا ہے جس کے علم و رہنمائی پر اسے بھروسہ ہو۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں ایک ہی مجتہد کی تقلید کی جائے اور اس مسئلے کی شرائط اور ارکان میں اسی مجتہد کے اجتہاد کی پیروی کی جائے۔ مثلاً نماز کے مسئلہ میں ایک ہی مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا لازم ہے یعنی نماز کی شرائط اور اس کے اراکین میں جیسے وضو، قیام، رکوع وغیرہ۔ یہ سب ایک ہی مجتہد سے لینا ضروری ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نماز ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق اور وضو شافعی مذہب کے مطابق کیا جائے، بلکہ پورا مسئلہ ایک مذہب کے مطابق اختیار ہونا چاہیے۔ لیکن مختلف مسائل، جیسے نماز، روزہ، اور حج وغیرہ، میں یہ جائز ہے کہ ایک ہی مجتہد سے سب اختیار کئے جائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ نماز ایک مجتہد سے اور روزہ دوسرے مجتہد سے اخذ کئے جائیں۔

6۔ مندرجہ بالا تفصیل کی بنا پر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو بھائی عربی نہیں جانتے اور اپنے آپ کو مقلد متبع سمجھتے ہیں اور ادِلّہ کا ترجمہ پڑھ کر ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں، یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ متبع ہیں جو دلیل کی معرفت سے کر سکتا ہے۔ لیکن ان بھائیوں کی حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے کیونکہ وہ عربی نہیں جانتے اور صرف ترجمہ پڑھنا مذہب تبدیل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مذہب تبدیل کرنے کے لئے انہیں مقلد عامی کی طرح مزید ترجیحی معیار اپنانے کی ضرورت ہے جیسے کسی عربی جاننے والے شخص پر اعتماد ہونا جو دلیل کی معرفت رکھتا ہو اور ان کو سمجھا بھی سکتا ہو کہ فلاں مذہب زیادہ قوی ہے۔۔۔ اگر ایسے شخص کے علم اور فہم پر اعتماد ہو تب اس بھروسے کی بنیاد پر مذہب تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ بھائی اپنی پچھلی رائے کو چھوڑ کر دوسری رائے اپنانا چاہیں تو صرف ترجمہ پڑھنا کافی نہیں جب تک وہ عربی نہیں جانتے اور ان کو مقلد عامی ہونے کے ناطے ایک مزید ترجیحی معیار اپنانا ہو گا۔

اس حقیقت پر یہی میری رائے ہے، واللہ اعلم واحکم

**آپ کا بھائی**

**عطا بن خلیل ابو رشتہ**

15 جمادی الاول 1439 ہجری

یکم فروری 2018

**ختم شد**

# سوال وجواب: قرض کی ضمانت کا معاوضہ

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

**سوال:**

السلام علیکم۔۔۔ہمارے محترم شیخ اور امیر

اللہ آپ کو تمام آفات اور ضرر سے محفوظ رکھے، اور آپ کو جلد زمین پر اختیار دے، انشاءاللہ۔

یہ ایک فوری جواب طلب سوال ہے۔ ایک شخص نے کچھ تاجروں کا بہت بڑا قرض لوٹانا ہے۔ ایک دوسرے شخص نے یہ پیشکش کی کہ وہ تاجروں سے بات کرے گا کہ قرض میں کچھ کمی کریں اور اس کمی کے بدلے اپنی جیب سے اس قرض کی فوری ادائیگی کردے گا۔ کم کی گئی رقم، اس کمی کے بعد مقروض اور اس ضامن (دوسرا شخص) کے درمیان ایک تناسب میں تقسیم ہو گی، یعنی ضامن اور مقروض ایک تناسب سے اس کو آپس میں بانٹ لیں گے۔ کیا یہ جائز ہے؟ اللہ آپ کو برکت دے اور آپ کا مددگار ہو۔

یوسف ابو اسلام

**جواب:**

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جو میں آپ کے سوال سے سمجھا ہوں کہ آپ کچھ تاجروں کے مقروض ہیں اور کوئی شخص آپ کی طرف سے تاجروں کو قرض کی ادائیگی میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہے لیکن اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ تاجروں سے قرض کی کمی پر بات طے کرے گا اور اس کمی (discount) کا ایک حصہ لے گا، مثلاً اگر قرض 10000 تھا، وہ بحث کر کے اسے 8000 پر لے آئے گا اور آپ سے آپ کے طرف سے قرض ادا کرنے کے بدلے 1000 لے لے گا، یعنی کمی کا آدھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ اس بات کا ضامن بن رہا ہے کہ آپ قرض چکا دیں گے، اور وہ ایک معاوضے کے بدلے آپ کی طرف سے ادا کر رہا ہے، جو کہ اس بچت کا ایک تناسب ہے جو وہ تاجروں سے حاصل کر سکتا ہے۔

> جابرؓ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کسی ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھاتے تھے جو مقروض حالت میں مرا ہو۔ ایک میت لائی گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، دو درہم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی کا جنازہ خود پڑھو۔ پھر ابو قتادہ الانصاری نے کہا: میں ادا کر دوں گا یا رسول اللہ۔ پھر آپ ﷺ نے اس شخص کا جنازہ پڑھایا۔ جب اللہ نے آپ ﷺ کو فتح عطا کی تو فرمایا: میں ہر مومن سے اس کی ذات سے زیادہ قریب ہوں، تو اگر کوئی مقروض مرا تو اس کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے، اور اگر کوئی وراثت چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے وارثوں کی ہے۔"

اگر میری سمجھ درست ہے، تو یہ لین دین جائز نہیں کیونکہ یہ ضمانت کا معاملہ ہے، یعنی آپ کی طرف سے قرض کی ادائیگی کی ضمانت اور اسلام میں ضمانت کی کچھ شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ضمانت معاوضے کے بدلے نہیں ہوتی اور آپ کے معاملے میں وہ شخص معاوضے کے بدلے آپ کا ضامن بننا چاہتا ہے۔ یہ لین دین اس طریقے سے جائز نہیں۔ ضمانت کی دلیل سے یہ واضح ہے کہ یہ ایک ذمہ داری liability کو ذمہ داری کے ساتھ جوڑنا ہے اور یہ دراصل ذمہ داری کے مستقل حق کی ضمانت ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ اس میں ایک ضامن (ضمانت دینے والا) ہوتا ہے، ایک وہ چیز جس کی ضمانت دی جائے اور ایک وہ جس کو ضمانت دی گئی ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل ابو داؤد نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ، **«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي عَلَى رَجُلٍ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَأُتِيَ بِمَيِّتٍ فَقَالَ أَعَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا نَعَمْ دِينَارَانِ قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ هُمَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»** "رسول اللہ ﷺ کسی ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھاتے تھے جو مقروض حالت میں مرا ہو۔ ایک میت لائی گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، دو درہم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی کا جنازہ خود پڑھو۔ پھر ابو قتادہ الانصاری نے کہا: میں ادا کر دوں گا یا رسول اللہ۔ پھر آپ ﷺ نے اس شخص کا جنازہ پڑھایا۔ جب اللہ نے آپ ﷺ کو فتح عطا کی تو فرمایا: میں ہر مومن سے اس کی ذات سے زیادہ قریب ہوں،

بقیہ صفحہ 26 پر

# سوال وجواب: مقلد متبع

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

**سوال:** السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اے امیر اور ہمارے بھائی! اللہ آپ کی حفاظت کرے، میں دعا گو ہوں کہ آپ اس سوال کے جواب کے لئے وقت نکال سکیں گے۔

میں نے آپ کی کتاب "تيسير الوصول إلى الأصول" کے صفحہ نمبر 273 میں درج ذیل پڑھا ہے:

"اس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ: کیا مقلد ایک خاص مسئلہ میں تقلید اختیار کرنے کے بعد اسی مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کی اتباع اختیار کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ حکم شرعی پر عمل کرے جسے کسی مجتہد نے مستنبط کیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک خاص مسئلہ میں تقلید اختیار کرنے کے بعد اسی مسئلہ میں کسی اور مجتہد کی اتباع اختیار کرے کیونکہ وہ اس مسئلہ میں حکم شرعی اپنا چکا ہے اور اس پر عمل بھی کر چکا ہے۔"

اسے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ: مثلاً، اگر کوئی شخص، جو عربی زبان سے ناواقف ہو، نماز کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کی تقلید اختیار کرے، اور پھر وہ نماز کے مسئلہ پر روسی زبان میں ترجمہ شدہ امام مالکؒ کی فقہ کی کتاب پڑھے، اور اب وہ امام شافعیؒ کی رائے کو چھوڑ کر امام مالکؒ کی رائے اپنانا چاہتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنا شریعت میں جائز ہے؟ دوسرے الفاظ میں کیا عربی زبان جانے بغیر ایک دلیل پر دوسری دلیل کو ترجیح دینے کا فیصلہ کرنا درست ہے؟ جبکہ دلیل اس وقت تک شرعی دلیل نہیں تصور کی جاتی جب تک عربی زبان میں نہ ہو۔ میں یہ سوال اس لئے پوچھ رہا ہوں کیونکہ ہمارے ہاں کئی مسلمان ایک مجتہد کی تقلید اختیار کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر دوسرے مجتہد کو اپنا لیتے ہیں۔ یہ سب کرتے وقت وہ عربی زبان اور شرعی علوم سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث کا مطالعہ روسی زبان میں کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شرعی ادِلّہ سے واقف ہیں۔ برائے مہربانی میرے سوال کا جواب عنایت فرمایے تاکہ میں اور دوسرے حضرات بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

جزاک اللہ خیر، اللہ آپ کے کام میں برکت ڈالے۔

منجانب: امام النووی


> اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى** "خواہشات کی اتباع مت کرو"(النساء:135)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ**" اگر تمہارے درمیان کسی معاملے پر تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو"(النساء:59)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقلد کئی آراء میں سے ایک رائے کو اختیار کرنے کے لئے جو معیار اپنائے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا پر مبنی ہونا چاہیے، اور یہ خواہشات کی پیروی سے بہت مختلف ہے۔ بغیر شرعی ترجیح کے دو آراء میں سے ایک کو اختیار کرنے کا مطلب خواہشات کی اتباع ہی ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب رجوع کرنا نہیں ہے۔


**جواب:**

وعلیکم اسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ مسئلہ درج ذیل ہے:

اگر کوئی مسلمان کسی مسئلہ میں ایک خاص مذہب (school of thought، مسلک) کی تقلید اختیار کرتا ہے جیسے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق نماز پڑھے، اور وہ اسے تبدیل کرنا چاہے کہ امام شافعیؒ کے اجتہاد کے مطابق نماز ادا کرے۔ تو یہ صرف ان مندرجہ ذیل صورتوں میں جائز ہے:

1۔ یہ ترجیح شرعی ترجیح ہو، نہ کہ یہ آسانی کے حصول یا نفسانی خواہشات پر مبنی ہو کیونکہ خواہشات کی پیروی منع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى" خواہشات کی اتباع مت کرو" (النساء: 135)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ "اگر تمہارے درمیان کسی معاملے پر تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو"(النساء:59)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقلد کئی آراء میں سے ایک رائے کو اختیار کرنے کے لئے جو معیار اپنائے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا پر مبنی ہونا چاہیے، اور یہ خواہشات کی پیروی سے بہت مختلف ہے۔ بغیر شرعی ترجیح کے دو آراء میں سے ایک کو اختیار کرنے کا مطلب

خواہشات کی اتباع ہی ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب رجوع کرنا نہیں ہے۔ ترجیح (ایک رائے پر دوسری رائے کو مقدم کرنے) کے کئی معیار ہیں، جن کے ذریعے مقلد دو مجتہد کی آراء میں سے ایک کو اختیار کرتا ہے یا ایک حکم پر دوسرے حکم کو ترجیح دیتا ہے، ان میں سے سب سے اہم یہ ہیں: علم، فہم اور عدالت (راست بازی)۔ مقلد مجتہد کا انتخاب اس کے علم اور راست بازی کی بنیاد پر کر سکتا ہے کیونکہ گواہ کا عادل ہونا شہادت دینے کے لئے شرط ہے۔ اور حکم شرعی کی تعلیم استاد کی طرف سے یہ شہادت دینا ہے کہ یہ حکم شرعی ہے اور اس حکم شرعی کو استاد کی راست گوئی کی بنا پر قبول کیا جانا چاہئے، اور اسی بنا پر حکم شرعی مستنبط کرنے والے مجتہد کا عادل ہونا بدرجہ اولی ضروری ہے۔ لہذا حکم شرعی کو خواہ استاد سے حاصل کیا یا مجتہد سے دونوں کے لئے عادل ہونا ناگزیر ہے۔ پس جو بھی یہ یقین رکھتا ہو کہ امام شافعی زیادہ جاننے والے تھے اور ان کا مذہب زیادہ صحیح ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ خواہشات کی بنا پر وہ کسی اور کے مذہب (رائے) پر عمل کرے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ دوسری رائے اس وقت اختیار کرے جب اس کے پاس اپنی رائے کے برخلاف قوی دلیل موجود ہو۔ لہذا ترجیح کرنا ناگزیر ہے مگر یہ خواہشات اور آسانی کی بنا پر ہر گز نہیں ہونی چاہیے۔ مقلد کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ پسند کی بنیاد پر کسی بھی مسئلے میں اپنا مذہب تبدیل کرے۔

2۔ حکم شرعی کی معرفت کے لحاظ سے لوگ دو طرح کے ہیں؛ ایک مجتہد اور دوسرا مقلد، تیسری کوئی قسم نہیں۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یا تو کوئی اپنے اجتہاد کے ذریعے اس حکم شرعی تک پہنچے گا اور اسے اختیار کرے گا یا پھر کسی اور کے اجتہاد کی بنا پر اسے اختیار کرے گا، پس یہ معاملہ ان دو امور کے اندر ہی محدود ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو مجتہد نہیں ہے لازماً کسی قسم کا مقلد ہو گا۔

تقلید دراصل کسی مسئلہ پر دوسروں کے مستنبط شدہ احکام کی پیروی کرنا ہے چاہے وہ خود مجتہد ہو یا نہ ہو۔ مجتہد کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں دوسرے مجتہد کی تقلید کرے چاہے وہ خود اجتہاد کی قابلیت رکھتا ہو، اور وہ اس مسئلہ میں مقلد ہو گا۔ لہذا تقلید اختیار کرنے والا مجتہد اور غیر مجتہد دونوں ہو سکتے ہیں۔ 3۔ مجتہد وہ ہے جو اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اجتہاد کرنے کے لئے عربی لغت کا کافی

**اگر مجتہد کسی مسئلہ میں حکم شرعی کا استنباط کرے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس مسئلہ میں کسی اور مجتہد کی تقلید کرے اور اس رائے کے خلاف جائے جس تک اجتہاد نے اسے پہنچایا ہے۔ وہ اپنی رائے کو دوسری رائے کے لئے نہیں چھوڑ سکتا ماسوائے اگر اسے معلوم ہو کہ وہ دلیل جس پر اس نے اعتماد کیا وہ کمزور ہے اور دوسرے مجتہد کی دلیل قوی ہے**

علم sufficient knowledge رکھتا ہو، قرآن وسنت کا کافی sufficient/enough علم رکھتا ہو، اسے دلائل کا موازنہ کرنے، انہیں جوڑنے، اور ان کے درمیان ترجیح کے طریقہ کار کی کافی معرفت حاصل ہو، اور اس بنا پر وہ حکم شرعی کا استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر مجتہد کسی مسئلہ میں حکم شرعی کا استنباط کرے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس مسئلہ میں کسی اور مجتہد کی تقلید کرے اور اس رائے کے خلاف جائے جس تک اجتہاد نے اسے پہنچایا ہے۔ وہ اپنی رائے کو دوسری رائے کے لئے نہیں چھوڑ سکتا ماسوائے اگر اسے معلوم ہو کہ وہ دلیل جس پر اس نے اعتماد کیا وہ کمزور ہے اور دوسرے مجتہد کی دلیل قوی ہے تو اس صورت میں اس پر اپنی رائے کو فوراً چھوڑنا اور قوی دلیل پر مبنی رائے کو اپنانا لازم ہو گا۔ اس صورت میں اس کے لئے اپنی رائے پر رہنا حرام ہو گا۔

یہ مجتہد سے متعلق تھا جب وہ اپنے اجتہاد کے ذریعے کسی مسئلہ کے متعلق حکم شرعی تک پہنچے۔ تاہم اگر مجتہد نے کسی مسئلہ پر اجتہاد نہیں کیا تو اس پر جائز ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کی تقلید اختیار کرے اور اس پر لازم نہیں کے وہ ہر مسئلہ پر اجتہاد کرے کیونکہ اجتہاد کرنا فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں۔ لہٰذا اگر وہ کسی مسئلہ میں شرعی حکم جانتا ہو تو اس پر لازم نہیں کہ وہ اپنا اجتہاد کرے بلکہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے مجتہد کی تقلید کرے یا یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنا اجتہاد کرے۔

دوسرے الفاظ میں ایک مجتہد ایک رائے کو چھوڑ کر کسی دوسری رائے کو ایک ترجیحی معیار پر اختیار کرتا ہے اور یہ معیار قوتِ دلیل ہے، چاہے وہ رائے اس کے اپنے اجتہاد کا نتیجہ ہو یا اس نے کسی اور مجتہد کی رائے کو اختیار کیا ہو۔

4۔ یہ ہے مجتہد کے تقلید کرنے کی حقیقت۔ جہاں تک غیر مجتہد کا تعلق ہے تو یہ دو قسم کے ہیں: مُتّبِع muttabi' اور عامی، ان دونوں کے لئے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی اپنی اپنی شرائط ہیں۔ اور تبدیلی کی ان تمام صورتوں میں خواہشات یا آسانی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ صرف تب ممکن ہے جب مقلد مُتّبِع یا مقلد عامی شرعی معیار کی بنا پر ایسا کرے۔

مقلد مطبع وہ ہے جو کچھ تشریعی علوم جانتا ہو، جن میں سب سے اہم یہ ہیں:

- عربی لغت کی مناسب معرفت: یعنی وہ عربی زبان کی کسی حد تک سمجھ رکھتا ہو، قرآن کو عربی میں پڑھ سکتا ہو، حدیث کا مفہوم عربی میں سمجھ جاتا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حدیث کی عبارت پڑھنے پر اس میں موجود ہر لفظ کے معانی اسے سمجھ میں آ جائیں بلکہ وہ ناقابل فہم لفظ کا مطلب پوچھ لے یا اس کا مطلب تلاش کر لے۔۔۔
- اس کے پاس متواتر، صحیح، حسن، اور ضعیف احادیث کے بارے میں مناسب معلومات ہوں چاہے یہ کسی ترجمے کے ذریعے ہی ہوں۔ مثلاً جب وہ مسلم یا بخاری میں کوئی حدیث دیکھے تو جانتا ہو کہ یہ صحیح ہے، اور جب وہ ترمذی کی کوئی حدیث دیکھے جسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے تو وہ جانتا ہو کہ اس سے مراد کیا ہے اور صحیح، حسن، اور ضعیف کے مفہوم سے واقف ہو۔

مقلد مطبع دلیل کی معرفت و آگاہی کی بنیاد پر ایک رائے سے دوسری رائے پر منتقل ہوتا ہے۔ وہ کسی رائے کی اتباع اس کی دلیل کی قوت یعنی ترجیحی معیار کے ذریعے کرتا ہے اور اپنی پرانی رائے کو دلیل کی ناواقفیت کی بنا پر چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ دلیل کی واقفیت کے بغیر کسی مذہب کا مقلد ہو اور اسے دوسرے مذہب سے آگاہی حاصل ہو جائے مع اس کے ادِلّہ کے، تو وہ اس مذہب کو اختیار کر لیتا ہے کہ جس کی دلیل سے وہ واقف ہے اور اس مذہب کو ترک کر دیتا ہے کہ جس کی دلیل کو وہ نہیں جانتا۔ دوسرے الفاظ میں مقلد متبع ترجیحی معیار کی بنیاد پر ایک رائے سے دوسری رائے پر منتقل ہوتا ہے، یعنی اس حکم کی اتباع کرتا ہے جس کی دلیل وہ جانتا ہے اور اس رائے کو ترک کر دیتا ہے جس کی دلیل وہ نہیں جانتا تھا۔

- مقلد عامی وہ ہے جو ان علوم سے بے بہرہ ہے جو تشریع legislation کے لیے معتبر سمجھے جاتے ہیں، پس وہ عربی زبان نہیں سمجھتا، اور وہ قرآن و سنت کے ادِلّہ سے بھی لاعلم ہوتا

مقلد عامی وہ ہے جو ان علوم سے بے بہرہ ہے جو تشریع legislation کے لیے معتبر سمجھے جاتے ہیں، پس وہ عربی زبان نہیں سمجھتا، اور وہ قرآن وسنت کے ادِلّہ سے بھی لاعلم ہوتا ہے۔۔۔ وہ اللہ کی عبادت ویسے کرتا ہے جیسے اس کے مذہب کے شیخ نے اسے بتایا ہے۔ ایسا شخص کسی دوسری رائے کو اختیار نہیں کر سکتا ماسوائے وہ ترجیح اختیار کرے۔ اور عامی کی ترجیح کا معیار شیخ کے علم، تقویٰ اور حسن معاملہ پر اعتماد ہے۔ تاہم وہ اپنی مسجد کے امام یا اپنے والد یا اپنے استاد (جو قرآن سکھائے) کی پیروی اختیار کرتا ہے۔

ہے۔۔۔ وہ اللہ کی عبادت ویسے کرتا ہے جیسے اس کے مذہب کے شیخ نے اسے بتایا ہے۔ ایسا شخص کسی دوسری رائے کو اختیار نہیں کر سکتا ماسوائے وہ ترجیح اختیار کرے۔ اور عامی کی ترجیح کا معیار شیخ کے علم، تقویٰ اور حسن معاملہ پر اعتماد ہے۔ تاہم وہ اپنی مسجد کے امام یا اپنے والد یا اپنے استاد (جو قرآن سکھائے) کی پیروی اختیار کرتا ہے۔ لہذا وہ ان ہی کی طرح نماز ادا کرے گا مثلاً شافعی مذہب کے مطابق۔ اس صورت میں وہ کسی ایک رائے سے دوسری رائے پر منتقل نہیں ہوتا ما سوائے ایک ترجیحی بنیاد پر، اور وہ یہ ہے کہ وہ علم، تقویٰ اور عدل کی بنا پر ان سے بڑھ کر کسی دوسرے شخص پر اعتماد کرے۔ تو اگر یہ دوسرا شخص امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتا ہے اور وہ اسے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے زیادہ معتبر دکھائی دیتا ہے اور وہ اس کے علم پر مطمئن ہے، خصوصاً جب وہ امام ابو خنیفہ کے مذہب کے مطابق نماز کے بارے میں اس کے دروس بھی سنے، اور یوں اس کا اعتماد اور اطمینان اس کے دل میں بیٹھ جائے۔ تو اس صورت میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ نماز کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مذہب سے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر منتقل ہو جائے، اعتماد اور اطمینان کی ترجیح کی بنیاد پر۔۔۔ دوسرے الفاظ میں مقلد عامی ایک رائے سے دوسری رائے پر ترجیحی بنیاد پر منتقل ہوا۔ جب مقلد عامی کسی شخص کو جانے اور اسے اس کے تقویٰ اور راست بازی پر اعتماد ہو اور وہ اس کے علم و فہم پر مطمئن ہو تو وہ اس شخص کے مذہب کو اختیار کر سکتا ہے۔

5۔ ان تمام صورتوں میں جب ایک مقلد کسی مجتہد کی اتباع کرتا ہے یا پھر دوسرے مجتہد کی جانب منتقلی اختیار کرنا چاہتا ہے تو اسے ایک ترجیحی معیار کی ضرورت ہے، چاہے اس کے پاس دلیل کا علم ہو یا نہ ہو۔ یا اس نے کسی دوسرے شخص سے کہ جس پر وہ بھروسہ کرتا ہے یہ

بقیہ صفحہ 26 پر

# سوال وجواب: جنوبی تحریک کی حقیقت اور اس کی ماتحتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**سوال:**

کیا جنوبی تحریک (الحراک الجنوبی) اب بھی امریکی ہے؟ یا یو اے ای کو محدود کیے جانے کی وجہ سے کونسل کی ایجنسی نے برطانیہ کی جانب رخ کیا ہے اور یو اے ای کی پیرو بن گئی ہے اور یو اے ای ملک میں برطانیہ کی نمائندگی کرتی ہے؟ دوسرے الفاظ میں، کیا امریکہ جنوبی تحریک کو تسلسل دینے میں ناکام رہا ہے اور کیا برطانیہ اس تحریک کو یو اے ای کے ذریعے اپنی جانب ملانے میں کامیاب رہا ہے؟ یا یہ تحریک اب بھی امریکہ کی پیروی کر رہی ہے لیکن کیونکہ یہ صرف یو اے ای ہی ہے جو عدن میں اپنی فوجی طاقت کے سبب جنوبی تحریک پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہے، لہٰذا وہ جنوبی تحریک کو برطانیہ کا وفادار بنائے بغیر اس پر اثر انداز ہو سکا؟

**جواب:**

1۔ برطانیہ کو اس بات کی تشویش تھی کہ شروع نوّے کی دہائی میں شاہ فہد کے دور میں امریکہ نے مصر اور سعودی عرب کے ذریعہ علی سالم البیض اور علی ناصر محمد کو بلاواسطہ اور بلواسطہ آمادہ کر لیا تھا حالانکہ یہ برطانیہ ہی تھا جس نے اپنے ایجینٹوں کے ذریعے "جنوبی یمن میں قومی آزادی فرنٹ" (National Liberation Front in South Yemen) کی تشکیل کی تھی اور 1967/11/20 سے مذاکرات میں شرکت کے لیے جنیوا میں مدعو کیا تھا۔ پھر برطانیہ نے اپنی افواج کی واپسی کے بعد، جنوبی یمن کو 1967/11/30 کو آزاد کر دیا اور برطانیہ کی تائید کے ساتھ علی سالم جنوبی یمن کا گورنر بن گیا۔ اس طرح سے،

امریکہ نے جنوبی یمن کی علیحدگی اور افتراقیت زدہ صورت حال کو اپنے تسلط کو بڑھانے کے لیے استعمال کیا، جبکہ شمالی یمن میں اس کا دوسرا گڑھ حوثی تحریک کے ذریعے قائم تھا ہی اور اس کو ایران کی تائید حاصل تھی۔ اس طرح سے، بین الاقوامی تنازعات کے تناظر میں، جنوبی تحریک جس کا مقصد مظالم اور تشدد کے خلاف آواز بلند کرنا تھا وہ اب یمن میں مداخلت کرنے کے لیے امریکہ کے ہاتھ کا ایک آلہ بن گئی ہے کیونکہ وہاں کی حکومت برطانیہ کی وفادار ہے۔

برطانیہ نے علی سالم کے امریکہ سے رشتے کو ایک ذلّت کے طور پر دیکھا! اس لیے، برطانیہ نے اس کو تخت سے ہٹانے کا فیصلہ کیا کیونکہ برطانیہ اپنے آدمی علی صالح جیسی طاقت ور شخصیت کے ہوتے ہوئے اس کی استطاعت بھی رکھتا تھا۔

اس طرح سے یمن کے دونوں حصّوں کے اتّحاد کے چار سال بعد ہی، 1994 میں دونوں حصّوں کی افواج کے مابین جنگ چھڑ گئی! جنگ کے خاتمے کے اور "جنوب" کی افواج کی شکست کے بعد، علی سالم اور علی ناصر محمد نے فرار کی راہ پکڑی اور انہوں نے اپنے آپ کو تھوڑا بہت الگ تھلگ کر لیا۔

اس کے بعد صنعاء میں صالح کی حکومت نے کئی سال تک جنوب کی فوج کا تعاقب کیا اور ان کو کچلتا رہا۔ تب، فوج سے ریٹائرڈ ارکان، جنہیں ان کے کام سے چھٹّی دے دی گئی تھی، نے جنوب میں ایک ایسوسی ایشن قائم کی جس کا کام تشدد و ظلم اور حقوق کی عدم فراہمی کے حوالے سے آواز بلند کرنا تھا۔ ان مظالم و ناانصافیوں کے تسلسل کی وجہ سے فوج کی اس اسمبلی کے آزمودہ کار اشخاص میں بھی علیحدگی پسندی سرائت کر گئی جس سے کہ وہ علیحدگی اور افتراقیت کا گڑھ اور علیحدگی پسند گروپ کا مرکز بن گئی جن کی تحریکیں ہی اب جانے والی جنوبی تحریک (Al-Hirak Al Janoubi) کا موجب بنیں جس نے باضابطہ طور پر 2007 میں اپنے وجود کا اعلان یمن میں کیا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ کم اہمیت اور کم اثردار تحریکیں چلائیں گئیں جن کا ہم یہاں ذکر نہیں کریں گے۔

2۔ امریکہ نے اس صورت حال کو جنوبی یمن میں اپنے تسلط کو بڑھانے کے لیے استعمال کیا، جبکہ شمالی یمن میں اس کا دوسرا گڑھ حوثی تحریک کے ذریعے قائم تھا ہی اور اس کو ایران کی تائید حاصل تھی۔ اس طرح سے، بین الاقوامی تنازعات کے تناظر میں، جنوبی تحریک جس کا

مقصد مظالم اور تشدد کے خلاف آواز بلند کرنا تھا وہ اب یمن میں مداخلت کرنے کے لیے امریکہ کے ہاتھ کا ایک آلہ بن گئی ہے کیونکہ وہاں کی حکومت برطانیہ کی وفادار ہے۔

بڑی طاقتیں روائتی طور پر کسی بھی ملک کے اندرونی حالات و تنازعات کا استحصال کرتی آئیں ہیں تاکہ ان پر اثرانداز ہوسکیں۔امریکہ نوے کی دہائی میں 1994 کی خانہ جنگی میں ، سعودی عرب میں ، شاہ فہد کی انٹیلی جینس سروس کے ذریعے جنوبی یمن میں عسکریت پسند وں سے رابطہ بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ حالانکہ ، سالم البیض اس وقت اس کا ایک پیرو تھا، اس وقت اس کا الگ تھلگ ہونا اور اپنی جلاوطنی کے دوران میں اس کی جانب سے صالح کی حکومت کے خلاف مادی اقدامات کی پکار نے امریکہ کو قائل نہیں کیا کہ سالم اکیلا یہ کام کرسکتا ہے اور وہ کسی ایسے متبادل کی تلاش میں لگ گیا جو قوی سیاسی عمل کو انجام دے سکے تاکہ جنوب کے لوگوں کو ایک بلاک میں متحد کردے جو صالح کی حکومت پر زبردست دباؤ ڈال سکے۔امریکہ کو اس کا راستہ حزب اختلاف کے حسن باوم کے ذریعہ حاصل ہوا جو جنوبی یمن کی علیحدگی کے لیے سرگرم تھا اور ایک شہر سے دوسرے شہر بہت پھرتی سے گھوم رہا تھا اور قبائل کے درمیان اپنی اور اپنی علیحدگی کے مطالبے کے لیے نصرت و تائید کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔اس سب کا اثر جنوب کی عوام کی بدحالی اور پیچھے رہ جانے میں ظاہر ہوا۔ جنوب کو یمن سے علیحدہ کرنے کی خاطر حسن اس سے متعلق رائے عامہ بنانے کے لیے ایک کے بعد دوسری تقریب منعقد کرنے میں مشغول تھا تاکہ تشدد کے بجائے امن و سکون سے یہ مقصد حاصل کیا جاسکے۔یہ محسوس کیا جارہا تھا کہ حسن باوم کی تحریکوں کو کچھ کامیابی ملی ہے اور کبھی کبھی جنوبی حصّوں میں اس تحریک کو تقویت بھی ملی ہے جہاں جنوب کی عوام کو یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ان کو جانتے بوجھتے پیچھے رکھا گیا ہے۔

جنوبی علیحدگی تحریک جس کی قیادت حسن باوم کررہا ہے،ایک سیاسی تحریک ہے جس کا تعلق ابتدا سے ہی امریکہ سے ہے اور یہ جنوبی یمن میں امریکی مداخلت کا ایک مرکز بن گیا ہے۔الحیراک کے ذریعے تحریکیں، تقریبات اور ہڑتالیں کی جاتی رہی ہیں اور دھیل ان کا مرکز رہا ہے۔حالانکہ، حسن باوم حضرمی مکلّا سے ہے،اور دھیل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

صنعاء حکومت نے اس کو گرفتاری کیا اور اس پر تشدد بھی کیا جہاں اس کو 2007 اور 2008 کے ایک سال کے وقفے میں ہی کئی دفع گرفتار کیا گیا۔اس کو 2010 میں ایک بار پھر گرفتار کیا گیا اور دو مہینے کے بعد 2011 میں رہا کردیا گیا اور پھر اسی سال دوبارہ گرفتار کرلیا گیا۔اس طرح سے علیحدگی پسند حسن باوم اپنی انتھک کوششوں، فوج کے بااثر لوگوں، قبائل اور سیاسی کارکنوں کو صنعاء میں مرکزی حکومت کے خلاف ترغیب دلانے، علیحدگی کے مطالبے کو راسخ کرنے اور ان کی پرزور طریقے سے وکالت کرنے اور امریکہ سے اس کے تعلقات اور ایران سے مل رہی اس کو تائید و نصرت کے چلتے وہ جنوبی یمن کی آزادی تحریک الحیراک کی ایک علامت بن گیا۔ حسن باوم کی خاصیت یہ رہی ہے کہ اس نے بہت تیز رفتاری کے ساتھ تحریکیں چلائیں اور اس نے جنوبی تحریک کی سپریم کونسل کی تشکیل کی اور اس کا صدر بن بیٹھا۔ سپریم کونسل آف دی پیس فل موومنٹ فار دی لیبریشن آف دی ساوتھ الحیراک کا ایک اہم دھڑا ہے جس میں سپریم نیشنل کونسل فار انڈیپینڈس آف دی ساوتھ، دی سپریم نیشنل کونسل فار لیبریٹنگ اینڈ ریسٹورنگ اسٹیٹ آف ساوتھ یمن، دی ساوتھرن ڈیموکریٹک اسمبلی اور یونین آف ساوتھرن یوتھ اینڈ اسٹوڈنٹس جیسے دھڑے بھی شامل ہیں۔۔۔دھیل الحیراک کا ایک بہت ہی سرگرم اور فعال حصّہ ہے۔۔۔(الجزیرہ نیٹ 2011/03/03)۔کچھ دوسری ویب سائٹس نے اس کو واضح طور پر ایک ایرانی ایجنٹ قرار دیا جیسا کہ hunadeen.com میں 2016/09/13 بیان ہوا ہے ۔اس طرح سے، جنوبی علیحدگی تحریک جس کی قیادت حسن باوم کررہا ہے ،ایک سیاسی تحریک ہے جس کا تعلق ابتدا سے ہی امریکہ سے ہے اور یہ جنوبی یمن میں امریکی مداخلت کا ایک مرکز بن گیا ہے۔الحیراک کے ذریعے تحریکیں، تقریبات اور ہڑتالیں کی جاتی رہی ہیں اور دھیل ان کا مرکز رہا ہے۔حالانکہ، حسن باوم حضرمی مکلّا سے ہے، اور دھیل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ان ساری تحریکوں نے اس گروپ کے لیے ایک طرح سے سیاسی مشق کا کام کیا ہے۔ابتداء میں صنعاء حکومت نے اس تحریک کو خطرناک نہیں سمجھا کیونکہ اس کے اہم کام سیاسی تھے اور اس لیے حکومت صرف اس تحریک کی علامتی شخصیات جیسے حسن باوم، احمد بن فرید، علی

الغریب اور علی منسرا کو کچھ وقفے کے لیے گرفتار کر لیتی تھی اور پھر رہا کر دیتی تھی۔

3۔ اس طرح سے، جنوبی تحریک میں امریکہ کے بندے ماہر ہو چکے ہیں اور علیحدگی کا تصور ان میں پیوست ہو چکا ہے اور وہ ان کے لیے ایک نظریہ (ideology) بن چکا ہے۔ جبکہ، وہ لوگ جو جنوبی تحریک کی سرگرمیوں سے متاثر ہیں؛ان میں سے کچھ مقامی کارکن ہیں اور کچھ یمن میں برطانیہ اور ان کے لوگوں کے اثر میں ہیں، اور اس طرح کے لوگ کبھی اتحاد کے ساتھ اور کبھی علیحدگی کے ساتھ ہوتے ہیں جبکہ علیحدگی ان کا نظریہ نہیں ہے۔ صنعاء کی حکومت ان ہی لوگوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں ہے تاکہ علیحدگی کا تصور تحلیل ہو سکے جو کہ امریکی ایجنٹوں کا خاص مقصد ہے جس کی خاطر وہ ان لوگوں میں اپنے خاص لوگوں کو شامل کراتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بتایا، کہ صنعاء کی حکومت ان کو خطرناک تصور نہیں کرتی تھی، لیکن جب صنعاء میں صدر صالح کی حکومت اور ان کے پیچھے برطانیہ کو یہ واضح ہوا کہ یہ تحریک اب زور پکڑ رہی ہے اور اس کے خطرات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے خاص طور سے تب جب امریکی ایجنٹ اس کے پشت پر ہیں تو صنعاء کی حکومت، برطانیہ اور ان کے مقامی پیرو ں نے اس کی روک تھام کے لیے اس کو سنجیدگی سے لینا شروع کیا، خاص طور سے جنوب میں پیچھے رہ جانے کے جذبات کے زیر اثر جب اس کو ختم کرنا بہت مشکل ہو گیا۔ جنوبی تحریک کی نشو نماء کی مناسبت سے "برطانوی "روک تھام کا منصوبہ ترقی پاتا گیا، جو صرف گرفتاریوں تک محدود نہیں تھا بلکہ اس میں شدید قسم کا تشدد بھی پایا جاتا تھا۔ یہ تب تک جاری رہا جب تک یو اے ای، اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ وہ عرب یثاق کا حصّہ ہے، اپنی زمینی افواج کے ساتھ داخل نہیں ہو گیا، اور پھر صالح کی موت کے بعد پر زور حملہ کیا جبکہ شمال میں برطانیہ کا اثر کم ہوا اور اس کو اس کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں اگر حوثی (Houthis) شمال میں اپنا اثر بڑھا لیں گے تو ایک خلا پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے امریکہ نے، جنوب میں ایک طاقت کا ہونا ناگزیر سمجھا

جنوبی تحریک میں امریکہ کے بندے ماہر ہو چکے ہیں اور علیحدگی کا تصور ان میں پیوست ہو چکا ہے اور وہ ان کے لیے ایک نظریہ (ideology) بن چکا ہے۔ جبکہ، وہ لوگ جو جنوبی تحریک کی سرگرمیوں سے متاثر ہیں؛ان میں سے کچھ مقامی کارکن ہیں اور کچھ یمن میں برطانیہ اور ان کے لوگوں کے اثر میں ہیں، اور اس طرح کے لوگ کبھی اتحاد کے ساتھ اور کبھی علیحدگی کے ساتھ ہوتے ہیں جبکہ علیحدگی ان کا نظریہ نہیں ہے۔

جو کہ یمن کی حکومت میں اس کے لیے ایک دباؤ کا کام کرے گی؛

اگر پورے یمن میں نہیں تو کم سے کم جنوب میں تو اس کی موجودگی درج ہوتی ہی رہے گی۔ اس لیے، جنوب میں اپنے اثر کو مرتکز کرنے کے بارے میں وہ بہت غور و خوض کرنے لگا خاص طور سے اس لیے کیونکہ اس کا مکمل اعتماد ہادی پر نہیں تھا کیونکہ وہ یہ سوچتا تھا کہ وہ سعودی عرب کے زیر اثر ہے، اس لیے یو اے ای کی مدد سے اس نے اس کا انتظام کیا، اس کے ساتھ ہی ساتھ یمن کے صدر- جن کو گزشتہ سال کے آخر میں 2017/12/04 کو حوثیوں نے قتل کر دیا تھا- کے ذریعہ مسلح افواج کو متحرک کیا گیا جو جنوب کی جانب روانہ ہو کر یو اے ای کی افواج کے ساتھ مل کر حوثیوں کے خلاف تصادم کرنے کو تیار ہو گئیں۔ "یمنی حکومت کے ذریعہ سے اس بات کی توثیق ہوئی ہے کہ علی صالح کا بھتیجا طارق صالح یو اے ای کی فوج کے تحفظ میں عدن میں تھا۔ سفارتی ذرائع کے حوالے سے پتہ چلا ہے کہ یو اے ای احمد بن علی صالح پر لگی پابندیوں کو ہٹانے کے لیے بھرپور کوششوں کر رہا ہے تاکہ مستقبل میں ایک سیاسی کردار ادا کر سکے" (ناس ٹائمس، یمنی ویبسائٹ 2018/02/05)۔ "ہم طارق صالح کی تائید کریں گے اور شمال میں اور ساری جہت میں ہم اس کی پشت پر کھڑے ہیں جب تک کہ صنعاء مکمل طور پر آزاد نہیں ہو جاتا۔" سپریم ٹرانزیشن کونسل کی افواج کے کمانڈر نے کہا (2018/01/30، فرانس 24)۔ اس کا مطلب ہے کہ برطانیہ جنوب میں ایک کھیل کھیل رہا ہے اور علی صالح کے یمنی ریپبلیکن گارڈ اور جنرل کانگریس پارٹی میں موجود کنبے کے لوگوں کو ایجنٹ بنا کر ان کے ذریعے اپنے اثر کو مضبوط کر رہا ہے۔ علیحدگی پسند لوگوں کی تائید یو اے ای اپنی ہوائی اور زمینی افواج سے کر رہا ہے، جبکہ سعودی عرب صرف ہوائی طاقت سے ہی اس جنگ میں شامل ہے۔

4۔ اس طرح سے، برطانیہ یو اے ای کے ذریعے جنوب میں کام کرنے لگا تاکہ اصل جنوبی تحریک میں گھس سکے یا اس کو پیچھے کر کے ایک دوسری نئی تحریک کے ذریع اس کو پیچھے ڈال دے۔ یو اے ای نے علی سالم

البیض کے حصّے سے شروعات کی حالانکہ برطانیہ علی سالم البیض اور علی ناصر کو دی گئی امریکی امداد اور نصرت کی کوششوں کی شدت سے واقف تھا۔امریکی مراعات میں ایرانی امداد، مصری سہولتوں کی دستیابی، جیسے کہ علی ناصر محمد کی قیادت میں 2014 میں قاہرہ میں جنوبی تحریک کی میٹنگ کا انعقاد، لبنان کی سہولیات جہاں بیروت نے علی سالم البیض کو پناہ دے رکھی ہے اور اس کو ایک میڈیا پلیٹ فارم مہیّا کرایا گیا ہے جس سے کہ وہ اومان میں 1994 سے محروم تھا۔ پھر 2014 کے سعودی "فیصلہ کن طوفان" کی شروعات کے بعد، وہ ریاض منتقل ہو گیا جہاں وہ مال و دولت کی فراوانی سے نوازا گیا۔ بحر حال، جیسا کہ ہم نے پہلے ہی بتایا ہے یو اے ای نے البیض اور ناصر کے دھڑے کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ جہاں تک اس سوال کا جواب ہے کہ اس نے اس دھڑے سے شروعات کیوں کی تو اس کی دو وجوہات ہیں: اول، کیونکہ وہ تشدد کو اپناتا ہے اور دوئم برطانیہ سے اس کی پیشتر وفاداری کا پس منظر اس کا تعاقب کر رہا ہے، کیونکہ نیشنل فرنٹ کی تشکیل انہیں کے ذریعے ہوئی ہے اور جنوبی یمن کی حکومت کا تاج برطانیہ نے ہی اس کے سر پر رکھا ہے۔اس لیے وہ اس کو اسی دور کی یادداشت میں جینے دینا چاہتے ہیں، اس تک اس کو لوٹانا چاہتے ہیں، قریب کرنا چاہتے ہیں اور اس کی حکومت کو بہتر طریقے سے مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ 2015 میں یمن میں عرب معاہدے کے آپریشن کے بعد، البیض کو سعودی عرب سے یو اے ای منتقل کر دیا گیا جہاں وہ ابو ظہبی میں رہ رہا ہے، کیونکہ وہ امریکہ کے وفادار ممالک میں رہائش پزیر رہا ہے اس لیے وہ دو سال تک (2012 اور 2013) میں لبنان میں ایران کی تائید اور اپنی پارٹی کی حفاظت میں رہا، پھر وہ سعودی عرب چلا گیا اور پھر یو اے ای نے اس کو جیت لیا کیونکہ وہ اتحاد (coalition) میں ہے، اور اس کو یہاں منتقل کر دیا جہاں وہ ابو ظہبی میں باوقار و عزت سکونت اختیار کی ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ البیض کی وفاداری کا حامل نہیں ہوتی ہے؛ جب وہ


برطانیہ یو اے ای کے ذریعے جنوب میں کام کرنے لگا تاکہ اصل جنوبی تحریک میں گھس سکے یا اس کو پیچھے کر کے ایک دوسری نئی تحریک کے ذریع اس کو پیچھے ڈال دے۔ یو اے ای نے علی سالم البیض کے حصّے سے شروعات کی حالانکہ برطانیہ علی سالم البیض اور علی ناصر کو دی گئی امریکی امداد اور نصرت کی کوششوں کی شدت سے واقف تھا۔ امریکی مراعات میں ایرانی امداد، مصری سہولتوں کی دستیابی، جیسے کہ علی ناصر محمد کی قیادت میں 2014 میں قاہرہ میں جنوبی تحریک کی میٹنگ کا انعقاد، لبنان کی سہولیات جہاں بیروت نے علی سالم البیض کو پناہ دے رکھی تھی اور اس کو ایک میڈیا پلیٹ فارم مہیّا کرایا گیا تھا۔


جنوب یمن کا صدر تھا تو وہ برطانیہ کا وفادار تھا اور شروعاتی نوے کی دہائیوں میں امریکہ نے اس کو اپنا بنا لیا اور وہ اس وفاداری پر قائم رہا اور امریکی حمائتی ممالک میں گھومتا رہا، اور اب وہ یو اے ای میں ہے جو اس کو دوبارہ پھسلانا چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ دوبارہ اپنی وفاداری بدل دے، اور اگر ایسا ہوتا ہے تو اس کے اور یو اے ای کے درمیان تناؤ میں اضافہ ہونا طے ہے۔ بحر حال، اس کا موقف ٹرانزیشن کونسل سے زیادہ قریب ہے اور اس نے اس کی تعریف بھی کی ہے: " یمن کے سابقہ نائب صدر علی البیض نے ایک 'جنوبی سیاسی باڈی' کی تائید کا اعلان کیا ہے۔ جنوبی ولایات کے تین گورنروں نے ایک دن بعد ہی عدن کے گورنر Aideros Zubaidi کی ایک سیاسی باڈی کی تشکیل کے لیے حمایت کی ہے۔ البیض نے 'العربی الجدید' کے حوالے سے ایک بیان میں اس کی توثیق کی ہے کہ وہ 'ہر ممکنہ ذرائع سے' اس مہم کی تائید کرے گا اور اس نے مختلف جنوبی سیاسی طاقتوں اور آزاد شخصیات سے اپیل کی ہے کہ وہ 'اس دعوت کے ساتھ مثبت طریقے سے تعامل کریں اور توقع، غفلت اور انحصار کی حالت سے ایک نئے مرحلے کی طرف باہر آجائیں'۔ عبیان کا گورنر خضر السیدی، لحج کا گورنر ناصر الخانجے اور دھیل کا گورنر فضل الجادی نے عدن کے گورنر Aidarous al Zubaidi کی ایک "جنوبی باڈی" کی تشکیل کی دعوت پر لبیک کہنے کے ایک دن بعد البیض کا بیان آیا (2016/09/16)۔ اسی کی طرح، اس کا دوست، علی ناصر محمد جو کبھی کبھی علیحدگی کی حمایت کرتا ہے اور کبھی اپنی شرائط کی مناسبت سے یمن میں ایک حکومت کا پیروکار بن جاتا ہے، اسی کے مثل ہے! جب یمن کے حل کے بارے میں 2017/10/04 میں دریافت کیا گیا (یعنی کہ، 2017 کے آخر میں حوثیوں کے خلاف علی صالح کی مورچہ بندی سے پہلے)، اس نے کہا: "قومی اتحاد پر مبنی ایک حکومت کی تشکیل اور عام اتفاق، اہم عناصر کا خراج جن سے دونوں پارٹیوں ("حوثیوں اور حادی کی حکومت ") میں جنگ کی آگ بڑھ رہی ہے، اس تغیّر

پزیری کے وقت میں کسی بھی سرکاری مقام سے اور ساری پارٹیوں سے اسلحے کی واپسی اور ان کو وزارت دفاع کو سونپنا کیونکہ یمن کو ایک صدر، ایک حکومت، ایک وزیر دفاع کی ضرورت ہے اور اگلے مرحلے میں انتخابات کی طرف لوٹنا ہے"(الحرم العربی 2017/10/04)۔ان سب چیزوں سے واضح ہے کہ برطانیہ یو اے ای کے توسط سے ان اشخاص اور ان کے ونگ تک ایک بااثر درجے تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہے جنہوں نے علیحدگی کو ایک ٹھوس نظریے کے طور پر نہیں اپنایا ہے کہ وہ اس سے بالکل ہٹنے کو تیار نہ ہوں جیسے کہ جنوبی تحریک کے معاملے کی شروعات ہوئی تھی بلکہ وہ حالات کے مطابق اپنے میں تغیر لانے کو تیار تھے۔

5۔ حسن باوم کا ونگ اپنی بنیاد سے ایک نظریاتی سیاسی علیحدگی کا حامی رہا ہے۔ برطانیہ کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ کسی بھی طرح کی تسکین، ترغیب یا غلبے پر مبنی حل مفید ثابت نہیں ہوں گے، اس لیے انہوں نے اس کو بنا کسی باضابطہ فیصلے کے ایک بھونڈے طریقے سے اومان میں گھیرنے کا سوچا۔ اور اس نے وہاں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ اس لیے لیا تھا کیونکہ اومان غیر جانب دار ملک لگ رہا تھا گویا کہ اس کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اپنے طے کردہ کردار کی مناسبت سے وہ برطانیہ کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہا ہے! اس لیے اومان میں برطانیہ کے ایجنٹوں کے ذریعے حسن باوم پر شکنجہ کسا گیا اور وہ سلالہ کے شہر میں لمبے وقفے تک نظر بند رہا۔ جنوب تحریک میں ملوث امریکہ کے اس سب سے مقدم بندے کی لمبی غیر موجودگی کے چلتے امریکہ کے حامی فرقوں میں کچھ کمزوری آگئی ہے۔اس طرح سے، برطانیہ نے اس موقع کو یو اے ای کے ذریعے استعمال کیا اور ایک متوازی جنوبی تحریک کی بنیاد ڈالنے پر زور دیا تاکہ جنوب کے کیس میں حسن باوم کے دھڑے کو کم اہم قرار دے دیا جائے، اور اس مقصد کے لیے انہیں ایدرس زوبیدی مل گیا جو کہ جنوبی تحریک کا ایک قدآور قائد ہے، اور علیحدگی پسند خود عزم تحریک بنام "HATAM" کا بانی ہے جو 1996 میں قائم ہوئی تھی۔ برطانوی گروپ سے اپنی قربت کے باعث، اس کو صدر حادی نے 2015/12/07 کو عدن کا گورنر مقرر کیا، جو کہ (مارچ 2015 ( Saudi Decisive Storm کے کچھ مہینوں بعد ہوا۔ برطانوی ایجنٹوں کا اس پر اعتماد قائم ہونے کا یہ ایک بہت مضبوط اشارہ تھا۔ایڈرس الزبیدی کا عدن میں ایک زبردست مقام ہے اور وہ اس شہر کا ایک کامیاب گورنر رہ چکا ہے۔اس نے وہاں بجلی بحال کروائی اور مسلح گروہوں کو شہر سے باہر نکالا۔اس نے حوثیوں سے جنگ کی اور امریکی نمائندے Ould Sheikh کی تجاویز کی مخالفت کی۔یہ سارا کام یو اے ای کی عوامی اور براہ راست معاشی اور جنگی امداد سے ہوا۔1994 کی خانہ جنگی کا ایک سپاہی اور علیحدگی تحریک کا اس کے شروعاتی دور سے ہی ایک قائد رہتے ہوئے اور 1994 سے Djibouti سے فرار ہونے کے وقت سے صنعاء میں علی صالح کی حکومت کے ذریعے تعاقب کئے جانے تک، Dhale علاقے کا ایک مقامی بیٹا ہونے پر جو کہ جنوبی تحریک کا مرکز اور نکتہ ثقل رہا ہے، عدن کا ایک کامیاب گورنر ہونے کے ناطے اور حوثیوں کے خلاف برسر جنگ ہونے پر وہ جنوب میں دھیرے دھیرے ایک بہت ہی اہم سیاسی شخصیت بن گیا ہے جس کا مقابلہ جنوبی تحریک کے حسن باوم کی تاریخی قیادت سے ہے۔ جنگی طور پر، ایڈریس الذبیدی جنوبی بیلٹ کے بانی حنی بین بریک پر اعتماد کرتا ہے جو یمنی منظر عام پر حوثیوں سے لڑتے ہوئے، اور پھر سیاسی منظر عام پر یو اے ای کے ذریعے عائد کئے گئے ایک وزیر کے طور پر ظاہر ہوا ہے کیونکہ ابو ظہبی کی فیّاضانہ امداد کی وجہ سے اس نے اپنا اثر حاصل کیا ہے اور جنوبی یمن میں ایک نام نہاد " تحفظی بیلٹ " کی بنیاد ڈالی جو کہ یو اے ای کا ایک جنگی مسلح گروہ ہے جس کو عوام کی تائید حاصل ہے۔(سسا پوسٹ 2017/11/02)

حسن باوم کا ونگ اپنی بنیاد سے ایک نظریاتی سیاسی علیحدگی کا حامی رہا ہے۔ برطانیہ کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ کسی بھی طرح کی تسکین ، ترغیب یا غلبے پر مبنی حل مفید ثابت نہیں ہوں گے، اس لیے انہوں نے اس کو بنا کسی باضابطہ فیصلے کے ایک بھونڈے طریقے سے اومان میں گھیرنے کا سوچا۔ اور جب حسن باوم نے وہاں سکونت اختیار کی تو برطانیہ کے ایجنٹوں کے ذریعے اس پر شکنجہ کسا گیا اور وہ سلالہ کے شہر میں لمبے وقفے تک نظر بند رہا۔ جنوب تحریک میں ملوث امریکہ کے اس سب سے مقدم بندے کی لمبی غیر موجودگی کے چلتے امریکہ کے حامی فرقوں میں کچھ کمزوری آگئی ہے۔

اس طرح سے، الزبیدی اور بریک کی جنوب میں دلچسپی ہے، لیکن کیونکہ وہ حادی کی حکومت کا حصّہ تھے اور برطانیہ کے لیے ان کی وفاداری کا بھانڈا پھوٹ گیا اور یہ چیزیں ان کی جنوبی تحریک کی دعوت کے لیے درکار ان کی مقبولیت میں ایک شگاف لگاتی ہیں اس لیے پہلا قدم ان کو حادی حکومت سے بے دخل کرنا تھا جس سے کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ حادی کیمپ اور خاص طور سے الزبیدی سے شدید مخالفت میں ہیں اور پھر جنوب والے ایک نئ Hirak تحریک کو تشکیل دینے کے لیے اس کے آس پاس جمع ہو جائیں گے اور یہی ہوا۔

6۔27 اپریل 2017 کو یمنی صدر نے ایک حکم جاری کر کے عدن کے گورنر ایڈرس الزبیدی اور ریاستی وزیر حنی بین بریک کو برخاست کر دیا جس میں آخر الذکر کی تفتیش کی سفارش بھی کر دی گئی ہے۔ جنوبی شہر عدن میں ہزاروں یمنیوں نے حادی کے اس فیصلے کی مذمّت کرنے کے لیے مظاہرے میں حصّہ لیا، اور جنوبی تحریک کے دھڑوں نے 4 مئی 2017 کو ہوئے "اقرار عدن" میں ایڈریس الزبیدی کو ایک جنوب کی نمائندگی اور انتظام کرنے کے لیے اور مقاصد اور چاہتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک بلاک کی تشکیل اور اس کی صدارت کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا اور مزید اس کے اس کو پورا حق دیا کہ وہ قرار داد کی ساری دفعات کا نفاذ کرنے کے لیے ضروری اقدامات لے سکتا ہے۔ الذوبیدی کو جنوب کا انتظام اور نمائندگی کرنے کے لیے ایک سیاسی قیادت کی تشکیل کا کام سونپنے کے ایک ہفتے کے بعد الزبیدی نے شہر عدن میں 11 مئی 2017 کو ساوتھرن ٹرانزیشن کونسل کی اپنی صدارت کا اعلان کر دیا اور مزید اپنے نائب کے طور پر بین بریک کا انتخاب کیا اور اس کے علاوہ بھی 26 ممبران کو مقرر کیا۔ باوم کے لیے آواز بلند کرنے کے ساتھ، سابقہ جنوبی یمن کا علم اپنے ساتھ لگا کر اس نے تقاریر کیں۔ سابقہ جنوبی یمن کے علم کو اٹھائے ہوئے، الزبیدی نے اپنے ٹی وی کے خطاب پر جمعرات میں بیان دیا کہ "تاریخی عدن قرار داد" میں ایک "اعلیٰ سیاسی جنوبی قیادت جس کو ساوتھرن ٹرانزیشن کونسل

الزبیدی اور بریک کی جنوب میں دلچسپی ہے، لیکن کیونکہ وہ حادی کی حکومت کا حصّہ تھے اور برطانیہ کے لیے ان کی وفاداری کا بھانڈا پھوٹ گیا اور یہ چیزیں ان کی جنوبی تحریک کی دعوت کے لیے درکار ان کی مقبولیت میں ایک شگاف لگاتی ہیں اس لیے پہلا قدم ان کو حادی حکومت سے بے دخل کرنا تھا جس سے کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ حادی کیمپ اور خاص طور سے الزبیدی سے شدید مخالفت میں ہیں اور پھر جنوب والے ایک نئ Hirak تحریک کو تشکیل دینے کے لیے اس کے آس پاس جمع ہو جائیں گے اور یہی ہوا۔

کی صدارت کہا جاتا ہے" قائم ہو گئی۔ اس نے آگے کہا کہ حنی بین بریک کونسل کا نائب صدر ہوگا، اس کے علاوہ بھی 26 مزید لوگ اس میں شریک ہوں گے۔ اس کے بعد آگے بیان دیا کہ " ساوتھرن ٹرانزیشن کونسل کی صدارت اور اس کے کے مختلف حصّوں کے قیام اور جنوب کے اندرون اور داخلی انتظام اور نمائندگی کی کاروائی مکمل کر لے گا۔(CNN Arabic 11/5/2017)

اس طرح سے، الزبیدی اور بین بریک اور ان کی پشت پر یو اے ای (برطانیہ) مکمل جنوب میں قیادت کی تشکیل دینے والی طاقتیں بن گئے ہیں۔ صوبوں کے گورنروں کی تقرری یمنی صدر کے ذریعے ہوتی ہے؛یعنی کہ وہ یمن میں برطانوی حلقے کے لوگ ہیں اور ٹرانزیشن کونسل کے باقی قائدین اس کے حمائتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس نے باوم کے ونگ کے کچھ لوگوں کو بھی کچھ وقفے کے لیے اس میں شامل کر لیا جیسے کہ علی السعدی اور ناصر الکھب جی اس لیے اگر سچائی منکشف ہوتی ہے تو یا تو وہ خود اس میں سے نکل جائیں گے یا ان کو باہر کا راستہ دکھلا دیا جائے گا۔ اس کا ایک مقصد ان کی تقطیب (polarization) کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے، ناصر الکھب جی الزبیدی کا ایک شروعاتی حمائتی بنا ہوا ہے۔

عدن میں ایدریس الزبیدی کی قیادت میں ساوتھرن ٹرانزیشن کونسل کا نیم فیصلہ کن قبضے کے ساتھ، دوسرے جنوبی صوبوں میں بین بریک کی قیادت میں نسبتاً بڑی جنگی طاقتوں کا قبضہ اور معارب میں بھی ایدریس الزبیدی کی قیادت کے گرد صوبائی گورنوں کا جمع ہونا، "جنوبی ریاست" کے سابقہ سوشلسٹ لوگوں کی حمایت جیسے کہ علی سالم البیض جس نے ابتداء میں ہی الزبیدی کے لیے اپنی تائید کا اقرار کر دیا تھا، طارق الفضلی کی حمایت اور اس کا اسلامی اسلوب عبیان میں اس کی مضبوط قبائلی پوزیشن میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ یو اے ای کی معاشی، سیاسی اور جنگی طاقت کی موجودگی، ان سب چیزوں کے ساتھ برطانیہ نے جنوبی تحریک کے مسئلے کو اپنے ایجنٹ ایدریس الزبیدی کے

لیے کافی حد تک طے کر دیا ہے۔ اگر سیاسی حالات ایسے ہی رہے خاص طور سے اگر جنوب میں یواے ای کی موجودگی کا وزن برقرار رہا تو یہ تسلط اور قبضہ ممکنہ طور پر جاری رہے گا۔

7۔اس میں ہوئی تاخیر کا احساس امریکہ کو ہے اور اس بارے میں وہ اپنی جھنجھلاہٹ بھی ظاہر کر چکا ہے اور جو چیز امریکہ کو پریشان کر رہی ہے وہ ٹرانزیشن کونسل میں اس کے عالمی نمائندے Ould Sheikh کی مخالفت ہے (ایک معتبر ذریعہ کے مطابق یو این کے نمائندے اسماعیل شیخ کو عدن کے برخاست شدہ گورنر ایدریس الزبیدی کی طرف بھیجا جانا اس کے اس بیان کے پس منظر میں کہ جنوب کی علیحدگی کے لیے ایک ٹرانزیشن کونسل کی تشکیل ہو گی ایک "واضح دھمکی" بھرا پیغام ثابت ہوا۔ المشہد الیمینی نے ایک باخبر ذریعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اسماعیل شیخ نے الزبیدی سے ملاقات کی اور اس کو اپنی اعلان کردہ کونسل پر اصرار کرنے پر ایک واضح طور پر دھمکی بھرا پیغام دیا جس کو یمنی صدارت، جی سی سی، حوثی گروپ اور جنوبی تحریک کے بہت سے لوگوں نے ٹھکرا دیا۔ اگر الزبیدی اس پر مصر رہتا ہے تو یو این اور تحفظی کونسل اس کو ان لوگوں میں شامل کر لیں گے جو یمن میں امن و امان میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور ساتویں باب کے تحت 2216 کی قرارداد کے نفاذ پر زور دیں گے اور حوثی اور صالح کی مانند "باغی" قرار دیے جائیں گے۔۔۔ Russia ) (Today 14/5/2017

ایسا لگتا ہے کہ امریکہ نے اس مرض کا علاج کھوج لیا ہے، اس لیے اس نے باوم کو رہا کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس کی رہائی کے بعد، حسن باوم نے یواے ای کی حمایت کردہ ٹرانزیشن کونسل کے خلاف کچھ بہت سخت اقدامات لیے، جس سے کہ یمن میں برطانوی–امریکی رقابت اور تنازعات کا کھلے عام بڑا انکشاف ہوا اور ایسا لگا کہ اس کی یہ حرکات واضح طور پر سعودی تائید سے ہو رہی ہیں۔ اس طرح سے، ان کی بصارت و بینائی کے تحت ہی اس کی قیادت میں Revolutionary Movement Council کی پہلی کانگریس کا انعقاد شہر عدن میں 2017/08/17 کو یواے ای پر جنوبی یمن پر قبضے کا الزام عائد کرتے ہوئے ہوا جس میں اس کے 600 کے قریب پیروکاروں نے

> حسن باوم کی امریکی مدد سے رہائی کے بعد، اُس نے یواے ای کی حمایت کردہ ٹرانزیشن کونسل کے خلاف کچھ بہت سخت اقدامات لیے، جس سے کہ یمن میں برطانوی–امریکی رقابت اور تنازعات کا کھلے عام بڑا انکشاف ہوا اور ایسا لگا کہ اس کی یہ حرکات واضح طور پر سعودی تائید سے ہو رہی ہیں۔

شرکت کی۔ کانفرنس کے بیان میں کہا گیا: "ہم اپنے جنوبی لوگوں کے جوش و خروش کے استحصال، جھوٹ کی سرائیت اور جذباتی طور پر اثرانداز کر کے مقبول حمایت حاصل کرنے کے عمل کو قطعی طور سے ٹھکراتے ہیں جس کے بعد جنوب کی مقبول رضامندی کو تبدیل کیا جا سکے۔۔۔ ہم اس بات کی توثیق کرتے ہیں کہ Supreme Council of the Revolutionary Movement کے صدر حسن باوم ہمارے قائد اور جنوب کی علامت ہیں جس کو ہم عزیز رکھتے ہیں اور جس میں ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔۔۔ آج جو بھی جنوب میں بیرونی طاقتوں کی جنونی ریس چل رہی ہے جیسے کہ یواے ای، جو ایسا ملک بنا ہوا ہے جو کہ جنوبی بندرگاہوں اور تجارتی اشیاء پر قبضہ کر رہا ہے اور ہمارے لوگوں کی قسمتوں اور ذہنی رجحانوں کو اپنے دست قدرت میں رکھتا ہے اور بدلے میں اپنے گنے چنے متبعین کو کچھ روٹی کے ٹکڑے ڈال جاتا ہے۔" Aden Al Ghad ) (17/08/2017۔ یعنی کہ، باوم کا گروہ یواے ای کے لیے عوامی عداوت کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ یمن کو چھوڑ دے اور باوم کی کانفرنس الزبیدی کے گروہ کو "یواے ای کے پیروکار، جو انہیں کچھ روٹی کے ٹکڑے ڈال دیتے ہیں" قرار دیتی ہے۔

پھر اس کے بعد باوم کی دوسری کانفرنس 2017/11/11 کو ہوئی اور باوم کی Revolutionary Movement Council" کی دوسری سالانہ کانفرنس کے آخری اعلان میں جو کہ عدن میں ہوئی اور العربی الجدید نے جس کا ایک نسخہ حاصل کر لیا، یہ کہا گیا کہ "ہم عرب اتحاد کے نام نہاد ممالک کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری افواج ہماری سرزمین سے ہٹانے کے بعد موومینٹ سپریم کونسل سے براہ راست مکالمہ کریں اور ہم اور ان کے درمیان سماجی اور مذہبی رشتوں کی شدت و گہرائی کی اپنی طرف سے توثیق کرتے ہیں۔ باوم کی زیر قیادت کونسل اتحاد کو "قابض طاقتوں" کے نام سے بیان کرتی ہے۔ اور مزید کہتی ہے، "قابض طاقتوں سے صحیح وقت اور صحیح جگہ پر اپنے قومی مفادات کی مناسبت سے ہر جائز طریقے سے نپٹنے کا ہم پورا حق رکھتے ہیں۔" اپنے بیان میں انہوں نے زور دے کر کہا کہ "کوئی بھی مذاکرہ یا حل جس میں جنوبی مسئلے اور اس کے جائز نمائندے خارج رکھے جائیں گے وہ کبھی بھی

کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا کیونکہ جائز نمائندے وہ ہیں جنھوں نے پہلے دن سے ہی اس تحریک کی قیادت کی ہے اور یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو موقع پرست ہوں، پیسے سے خریدے گئے ہوں یا بیرونی قبضے کے ذریعے بٹھائے گئے ہوں"(العربی الجدید 2017/11/11)۔ حالانکہ یہ بیان عرب اتحاد کے بارے میں تھا مگر اس کا رخ سیدھا یو اے ای کی طرف تھا کیونکہ یہ کانفرنس سعودی تحفظ میں ہوئی تھی!

8۔ نتیجتاً: 1994 میں علی سالم البیض اور علی ناصر محمد کی شکست کے بعد اور جنوبی یمن کے وسائل پر علی صالح کے قبضے کے بعد، جنوب کے لوگوں کی حاشیہ بندی اور بہت سے جنوبی سپاہیوں پر تشدد ۔۔۔ ان ساری چیزوں نے تب سے ہی متعدد مخالفانہ تحریکوں کو عروج بخشا ہے جس میں کہ تین قابل ذکر ہیں:

-جنوبی تحریک، علی سالم البیض ونگ جو کہ متذبذب ہے: کبھی امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کے ساتھ اور کبھی برطانیہ اور اس کے ایجنٹوں سے موافقت رکھتا ہے۔

-جنوبی تحریک، حسن باوم کا ونگ جس کی تائید امریکہ اور اس کے ایجنٹ کر رہے ہیں، خاص طور سے ایران۔

-جنوبی تحریک، الزبیدی کا ونگ جس کی حمایت پر برطانیہ اور اس کے ایجنٹ ہیں خاص طور سے یو اے ای۔

-جیسا کہ ہم نے اوپر نشاندہی کی ہے، ہم نے یمن کے مسائل پر ان کی سب سے اہم پوزیشن کو نمایاں کیا ہے اور یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہمارے مسائل پر ہمارے اپنے ہی لوگوں کے زنگ آلود اوزاروں کے ذریعے استعماری کفّار کی چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہے! اس لیے، یمن میں اور اس کے علاوہ ہماری ہی زمینوں میں ہمارے ہی ہتھیاروں اور لوگوں کے ذریعے ہمارا خون بہایا جا رہا ہے۔ اور یہ لوگ یا تو اس بات کو بھول گئے ہیں یا بھولنے کا ناٹک کر رہے ہیں کہ اگر ان کو اس کا احساس ہو جائے تو وہ خون کے آنسو روئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام کیا ہے کہ مسلمان جابرانہ کفّار کی طرف کسی بھی طرح سے مائل ہوں:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو اللہ سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تم کو مدد نہ پہنچے گی"(الھود: 113)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بنا کسی حق کے مومن کے خون کو بہانے کو پوری دنیا کے ختم ہو جانے سے زیادہ سنگین اور شدید بتایا۔ ترمذی نے عبد اللہ بن عمر سے روائیت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ» "اس دنیا کا خاتمہ اللہ کے نزدیک کم اہمیت رکھتا ہے بہ نسبت اس کے ایک مسلم مرد کو قتل کیا جائے"۔

بحر حال، اللہ کے رسول ﷺ نے یمن کو ایک ایمان اور حکمت والی جگہ قرار دیا۔ اور اس میں کسی بھی طرح سے مخلص، صداقت پسند اور وفادار لوگوں کی کمی نہیں رہی ہے جو ان کافروں اور ان استعماریوں کا ساتھ دینے والوں کے خلاف کھڑے ہو سکیں۔ وہ یمن کو اللہ کے اذن سے دار الاسلام بنائیں گے، انشاءاللہ اور اس کو خلافت راشدہ کے تلے اسلام کے علم کے نیچے لانے کی کوشش کریں گے جو کہ اس کے وقار و عظمت کو دوبارہ قائم کرے گی۔

ابن عساکر نے اپنی معاجم میں روائیت کیا: یہ ایک حسن حدیث ہے۔ تو یہ کفّار اور استعماریوں کے فائدے کے لیے کیسے بہایا جا سکتا ہے؟ یقیناً یہ تو گناہ پر گناہ ہے۔ ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ "یہ مجرم اپنی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب سے دو چار ہوں گے"(الانعام: 124)۔

بحر حال، اللہ کے رسول ﷺ نے یمن کو ایک ایمان اور حکمت والی جگہ قرار دیا۔ اور اس میں کسی بھی طرح سے مخلص، صداقت پسند اور وفادار لوگوں کی کمی نہیں رہی ہے جو ان کافروں اور ان استعماریوں کا ساتھ دینے والوں کے خلاف کھڑے ہو سکیں۔ وہ یمن کو اللہ کے اذن سے دار الاسلام بنائیں گے، انشاءاللہ اور اس کو خلافت راشدہ کے تلے اسلام کے علم کے نیچے لانے کی کوشش کریں گے جو کہ اس کے وقار و عظمت کو دوبارہ قائم کرے گی۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً وَأَلْيَنُ قُلُوبًا الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ» "یمن کے لوگ تمہارے پاس آئے ہیں اور وہ تم سے زیادہ حلیم اور رقیق القلب ہیں۔ ایمان یمن کا ہے اور حکمت یمن کی ہے۔۔۔"

8 جمادالثانی 1439 بعد ہجری

2018/02/24

**ختم شد**

پاکستان آرمی کو مسجد الاقصیٰ کی آزادی کے لیے حرکت میں لانے کے لیے حزب التحریر ولایہ پاکستان کے مظاہرے:

# مسجد الاقصیٰ اور فلسطین اقوام متحدہ، اسلامی تنظیم اور مذمتی قرار دادوں سے نہیں بلکہ خلافت تلے منظم جہاد سے آزاد ہوں گے

**پریس نوٹ**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

حزب التحریر ولایہ پاکستان نے مسجد الاقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کے لیے پاکستان کے بڑے شہروں میں مظاہرے کیے۔ مظاہرین نے بینرز اور کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر تحریر تھا: **"پاک فوج حرکت میں آؤ، فلسطین کو آزاد کراؤ"** اور **"اقوام متحدہ، عرب یا اسلامی لیگ کی قرار دادیں نہیں، صرف خلافت تلے منظم جہاد فلسطین کو آزاد کرائے گا"۔**

خلافت کے انہدام کے بعد مسلم علاقوں میں بننے والی قومی حکومتوں نے کبھی بھی الاقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کے لیے سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش نہیں کی بلکہ ہر سانحے کے بعد ان قومی حکومتوں کے حکمران امت کے شدید غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے عرب یا اسلامی لیگ کے نام پر جمع ہو کر یہودی وجود کے خلاف مذمتی قرار داد کی منظوری اور بین الاقوامی برادری اور اقوام متحدہ سے کردار ادا کرنے کا مطالبہ کر کے منتشر ہو جاتے ہیں۔ امت نے جب کبھی ان حکمرانوں سے مسلم افواج کو حرکت میں لانے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے معاشی و فوجی کمزوری کے بہانے پیش کیے لیکن یہ حکمران مغربی طاقتوں کے مفادات کی نگہبانی کے لیے اقوام متحدہ کے جھنڈے تلے دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلم افواج کو بھیجنے پر ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور افواج کو روانہ بھی کرتے ہیں۔ آج بھی پاکستان، ایران، سعودی عرب اور ترکی بالترتیب پاکستان کے قبائلی علاقوں، شام، یمن اور کرد مسلمانوں سے لڑنے کے لیے افواج کو حرکت میں لاتے ہیں اور اپنے ہی وسائل سے اربوں ڈالر خرچ بھی کرتے ہیں۔ الاقصیٰ اور فلسطین پہلے بھی خلافت اور اس کی افواج نے ہی آزاد کرائے تھے اور ان کی حفاظت کی تھی اور اب بھی ان کی آزادی خلافت تلے مسلم افواج کے منظم جہاد سے ہی ہو گی پس اس کے لیے پہلے نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی ضرورت ہے۔ اس لیے پاکستان کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان کو نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے نقطہ آغاز بنائیں اور پوری مسلم دنیا کے علاقوں، وسائل اور افواج کو اس کے جھنڈے تلے یکجا کریں۔ تب خلافت مسلم افواج کو فلسطین کی آزادی کے لیے حرکت میں لائے گی اور اُس عظیم شان فوج کا حرکت میں آنا ہی یہودی وجود کے خاتمے کا باعث بن جائے گا۔

> الاقصیٰ اور فلسطین پہلے بھی خلافت اور اس کی افواج نے ہی آزاد کرائے تھے اور ان کی حفاظت کی تھی اور اب بھی ان کی آزادی خلافت تلے مسلم افواج کے منظم جہاد سے ہی ہو گی پس اس کے لیے پہلے نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی ضرورت ہے۔ اس لیے پاکستان کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان کو نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے نقطہ آغاز بنائیں اور پوری مسلم دنیا کے علاقوں، وسائل اور افواج کوا س کے جھنڈے تلے یکجا کریں۔

**لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ**

"(مسلمانو) تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں" (الحشر: 13)

**ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس**

منیو ڈیری
MAX
FATIMA
ENTERPRISES
پاک فوج حرکت میں آؤ
فلسطین کو آزاد کراؤ
حزب التحریر پاکستان

گنج علی خان
پاک فوج حرکت میں آؤ
فلسطین کو آزاد کراؤ
حزب التحریر ولایہ پاکستان

# مسلم دنیا میں اردو بولنے والوں کے لیے

## حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی اردو ویب سائٹ

## www.hizb-ut-tahrir.info/info/urdu.php

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی ایک اردو ویب سائٹ ہے جس کو www.hizb-ut-tahrir.info کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی امت میں اردو بولنے، لکھنے اور سمجھنے والے کروڑوں مسلمانوں کے لئے یہ اردو ویب سائٹ معلومات حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس ویب سائٹ پر پوری مسلم دنیا میں خلافت کے قیام کے لیے کام کرنے والی جماعت حزب التحریر کی انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک مختلف ولایات کی جانب سے جاری کی گئیں پریس ریلیز زاور لیفلٹ دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ویب سائٹ پر مسلم دنیا میں حزب التحریر کی خلافت کے قیام کی زبردست جدوجہد کے حوالے سے تحریریں، تصاویر، آڈیوز اور ویڈیوز بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس ویب سائٹ کے ذریعے حزب التحریر کے امیر، مشہور رہنما اور فقیہ، شیخ عطا بن خلیل ابوالرشتہ سے سوالات بھی پوچھے جاسکتے ہیں۔

یقیناً اردو زبان کی موجودگی خلافت کا تحفہ ہے کیونکہ یہ زبان ریاستِ خلافت کی مسلم افواج کی فوجی چھاؤنیوں میں وجود میں آئی تھی جن میں ترکی، فارس، عرب اور برِصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے مسلمان موجود ہوتے تھے۔ درحقیقت لفظ اردو ترک زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ آج کے دن تک اردو کا رسم الخط، اس کے الفاظ اور طرزِ تحریر قرآن اور خلافت کی سرکاری زبان عربی پر بے حد انحصار کرتی ہے۔

حزب التحریر ولایہ پاکستان اردو زبان استعمال کرنے والے صحافیوں، میڈیا اور سوشل میڈیا کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ حزب التحریر کی جدوجہد اور کام سے مسلسل آگاہی کے لیے اس بہترین ویب سائٹ کو استعمال کریں۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس